زندگی کا سرچشمہ

ہستی باری تعالیٰ
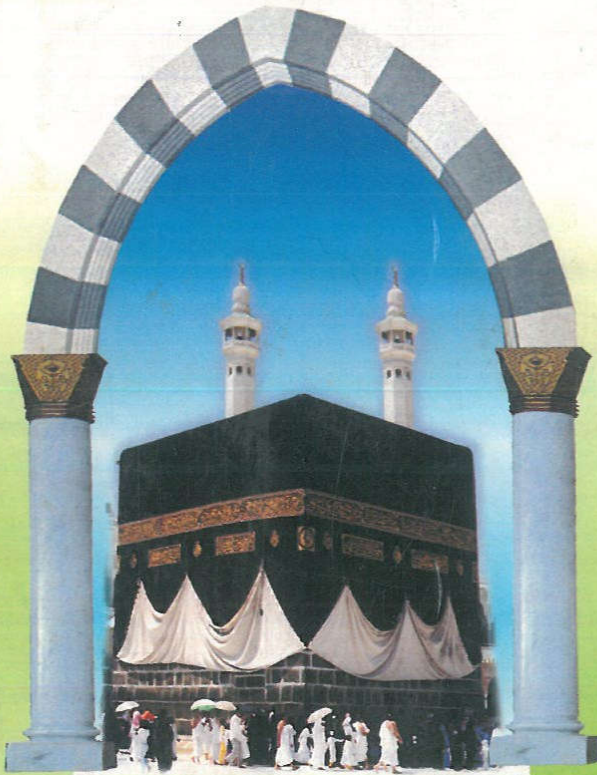
موعود مسیح و مہدی کی تحریروں سے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

زندگی کا سرچشمہ

اللہ تعالیٰ

موعود مسیح و مہدی کی تحریروں سے

☆ اثبات باری تعالیٰ ☆ صفات باری تعالیٰ

☆ وحی' الہام' کشف' رویا ☆ دعا

☆ اللہ تعالیٰ کی معرفت۔ قرب۔ توحید وغیرہ

☆☆☆☆☆

اللہ تعالیٰ ہر فیض کا مبداء اور ہر زندگی کا سرچشمہ اور ہر قوت کا ستون

اور ہر وجود کا سہارا ہے

(آریہ دھرم صفحہ نمبر 2)

نام کتاب	اللہ تعالیٰ
تحریریں	حضرت مسیح موعود
ترتیب و تحقیق	ملک محمد سلیم شاہد
پبلشر	چوہدری نصیر الدین گجر
ناشر	ابو ودود رانا تنویر احمد ابن رانا نصر اللہ خان
تعداد	500
بار	اول
مطبع	لاہور آرٹ پرنٹنگ پریس 15 نیو انارکلی لاہور

سن اشاعت مارچ 2010ء

اگر میرے کلام سے مردے زندہ نہ ہوں۔۔۔۔تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم ص ۴۴۳)

PUBLISHER'S NOTE

اللہ تعالیٰ جمیل (خوبصورت) ہے اور جمال (خوبصورتی) کو پسند کرتا ہے۔ اس لئے کوشش کی گئی ہے کہ (مشکل اور مخالف حالات کے باوجود) کتاب ہستی باری تعالیٰ ظاہری طور پر بھی خوبصورت ہو۔ ٹائٹل پیج پر حجر اسود نمایاں ہے۔ زمین پر بندگی اور عبادت و محبت کی محسوس و مشہور علامت و نشانی بیت اللہ اور حجر اسود ہے سیدنا حضرت مسیح موعود سلطان القلم کی تحریر کی خوبصورتی یعنی کتاب کی اندرونی حقیقی خوبصورتی تو ظاہر ہے۔ عیاں راچہ بیاں۔ خشبو خود بولتی ہے عطر والے کو بولنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مشک آنست کہ خود گوید نہ کہ عطار بگوئید۔

طالب دُعا

(چوہدری نصرالدین گجر)

نوٹ: اس کتاب میں زیادہ مالی قربانی ایک غیر از جماعت دوست کے حصے میں آئی ہے کتاب سے استفادہ کرنے والے ان کے لئے دُعا کریں خدا ان کی قربانی قبول فرمائے اپنی رضا، فضل، رحمت، برکت سے نوازے۔ آمین

مارچ 2010ء

بسم اللہ الرحمان الرحیم

پیش لفظ

حضرت محمد رسول اللہؐ کے موعود مسیح ومہدی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ پر، اللہ تعالیٰ کے لیے اور اللہ تعالیٰ میں ہو کر لکھا ہے۔ عربی کے ایک مقولے کا مطلب ہے جس سے محبت ہوتی ہے انسان اس کا ذکر کثرت کرتا ہے۔ مسیح موعود کی ساری کتابیں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی خوشبو سے مہک اور ذکر مولا کے نور سے چمک رہی ہیں۔ آپ کی آخری کتاب پیغام صلح کے کل صفحات تقریباً 32 ہیں ان میں لفظ اللہ 163 بار آیا ہے دو صفحات پر اللہ کا نام گیارہ گیارہ مرتبہ آیا ہے آپکی سیرت **محبت** ہے خصوصاً اللہ کی محبت آپ کی تحریروں میں لفظ اللہ اور اللہ کے صفاتی نام بکثرت آئے ہیں۔ یہ حضرت مسیح موعود کی سیرت (محبت) کی ایسی دلیل ہے جسے آپ کی سیرت کے تذکرے میں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے۔ اور اسے کبھی نظر انداز (Over Look) نہیں کرنا چاہیے

اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید بسم اللہ کی ''ب'' سے شروع ہوتی ہے والناس۔ کی ''س'' پر ختم ہوتی ہے ب اور س سے بس بنتا ہے یعنی اللہ کافی ہے ہے۔ اللہ کی ہدایت اس کی محبت اور اس کی اطاعت کافی ہے۔ بس۔ حضرت مسیح موعود کا بھی ایک الہام ہے مولا بس! آپ نے آنحضرتؐ کی سیرت، محبت، عظمت، پر لکھا کہ آپ اللہ کے رسول اعظم اور آخر ہیں اور کوئی نئی شریعت اور تشریعی نبی محمدؐ کے بعد نہیں ہے آپ کی نبوت اور رسالت تا قیامت ہے۔ مسیح موعود نے قرآن پر لکھا کہ وہ اللہ کی کتاب ہے۔ غرض آپ نے ساری زندگی جو فرمایا یا لکھا وہ دراصل خدا کے لیے خدا میں ہو کر فرمایا اور لکھا۔

یہ کتاب ''اللہ تعالیٰ'' جو آپ کے ہاتھ میں ہے اس انداز سے اس موضوع پر پہلی کوشش

(Attempt) ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، وحی الہام کشف رویا اور اللہ سے متعلق (Related) دوسرے اہم بنیادی مضامین حضور کی کتب سے دیئے گئے ہیں۔ یہ لمبا مضمون تھا۔ ایک بزرگ دوست نے توجہ دلائی کہ جتنی کتاب بڑی ہوگی اتنا پڑھنے والوں کا حلقہ چھوٹا ہوگا۔ ان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے کتاب میں اختصار کو مدنظر رکھا گیا اس دوست کی اعانت، مشاورت کا شکر گزار ہوں اللہ تعالیٰ ان کو خضر کی عمر فاروق کا جذبہ اور تقویٰ عطا فرمائے۔

خاکسار جناب چوہدری منیر نواز (ابن چوہدری شاہنواز مرحوم) چیئرمین شیزان انٹرنیشنل لاہور کا شکر گزار ہے جو لمبے عرصے سے عاجز کی حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ انہیں اپنے فضل واحسان سے نوازتا رہے۔ ان کے احباب واقارب کو بھی اپنی امان وسلامتی اور رضا سے نوازے جس عزیز دوست کے مشورے اور تحریک پر یہ مضمون تیار کیا ہے ان کے لیے اور عزیزم ظہور اور دوسرے معاونین کے لیے عزیزم رانا تنویر احمد، مکرم چوہدری نصیر الدین گجر منڈی احمد آباد ضلعی امیر اوکاڑہ کے لیے احباب دعا کریں۔ میں الاستاذ حضرۃ العلام قبلہ جمیل الرحمان رفیق پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ کا ممنون ہوں جنہوں نے میری درخواست پر حضرت مسیح موعود کا ایک اہم حوالہ نکال کر دیا اللہ تعالیٰ کی رضا اور معیت ہمیشہ انہیں حاصل رہے۔

نوٹ: صفحہ 58 تا 60 (نصف اول) حضرت مرزا عبدالحق مرحوم کی کتاب صفات باری تعالیٰ سے ماخوذ ہے

والسلام۔ ملک محمد سلیم شاہد لاہور مارچ 2010ء
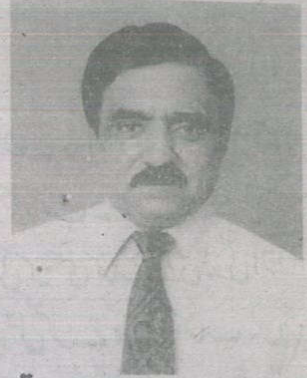
عرض ناشر

موضوع کی اہمیت

خداسب سے بڑا ہے۔باقی سب اس کی مخلوق ہے وہ سب کا خالق اور مالک ہے باقی سب موضوع جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہیں وہ اس کے بعد ہیں۔دنیا کے ہر موضوع سے اہم ترین' اللہ تعالیٰ' اس کی ذات' اس کی صفات' اس سے تعلق' اس کی معرفت کا بیان ہے۔

موجودہ عالمی مصائب ومسائل: کا حل بھی اسی موضوع میں ہے۔ خدا سے تعلق' اللہ تعالیٰ پر یقین کامل تمام جرائم اور گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔بقول مسیح موعود یقین کی دیواریں آسمان تک ہیں۔جہاں شیطان داخل نہیں ہوسکتا۔جرم' گناہ' دراصل خدا کے مخفی انکار کا نتیجہ ہے۔قرآن حدیث کا ارشاد ہے ایمان اور جرم یک جانہیں ہوسکتے۔گناہ' جرم آیا تو ایمان گیا۔ایمان آیا تو گناہ گیا۔اہم نکتہ۔خدا کو اس کی تمام صفات کے ساتھ ماننا ضروری ہے وہ کل بھی ہادی تھا۔ہدایت دیتا تھا' سنتا تھا' بولتا تھا آج بھی ہادی ہے۔اس نے اس زمانے میں بھی امام الزمان بھیجا ہے۔وہ پہلے کی طرح ابھی بولتا اور سنتا ہے۔اس حقیقت سے غافل انسان بدقسمتی سے دوزخ کے راستے پر چل رہا ہے۔

جماعت کی ذمہ داری: مسیح موعود کی یہ توقع پوری کی جائے کہ میں تمہیں ولی پرست نہیں ولی بنانے آیا ہوں اور پیر پرست نہیں پیر بنانے آیا ہوں۔فرمایا میں خاتم الاولیاء ہوں اب وہی ولی اللہ بنے گا۔جو مجھ میں سے ہے اور میرے عہد (شرائط بیعت) پر قائم ہے آپ کا اپنا محبت الٰہی کا نمونہ قابل تقلید ہے کہ بوقت وفات زبان پر ذکر الٰہی تھا اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ کو پیارے ہوئے۔

خاکسار۔ابوودود تنویر احمد بن رانا نصر اللہ خان گجرات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست مضامین

مذہب کی اصل غرض اس سچے خدا کو پہچاننا ہے جس نے اس تمام عالم کو پیدا کیا ہے اور اس کی محبت میں اس مقام تک پہنچنا ہے جو غیر کی محبت کو جلا دیتا ہے اور اس کی مخلوق سے ہمدردی کرنا اور حقیقی پاکیزگی کا جامہ پہننا ہے۔

(لیکچر لاہور صـ۲)

باب اول

اثبات (دلائل) ہستی باری تعالیٰ

حصہ اول

حمدیہ/عارفانہ منظوم کلام (اردو)

حصہ دوم

دلائل ہستی باری تعالیٰ

حصہ اول

حمدیہ / عارفانہ منظوم کلام (اردو)

نُصرتِ الٰہی

خُدا کے پاک لوگوں کو خُدا سے نُصرت آتی ہے
جب آتی ہے تو پھر عالَم کو اک عالَم دکھاتی ہے

وُہ بنتی ہے ہَوا اور ہر خسِ رہ کو اُڑاتی ہے
وُہ ہو جاتی ہے آگ اور ہر مخالف کو جلاتی ہے

کبھی وہ خاک ہو کر دشمنوں کے سَر پہ پڑتی ہے
کبھی ہو کر وہ پانی اُن پہ اِک طُوفان لاتی ہے

غرض رُکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے
بھلا خالِق کے آگے خَلق کی کچھ پیش جاتی ہے

براہین احمدیہ حصّہ دوم صفحہ ۱۱۴ مطبوعہ سنہ ۱۸۸۰ء

حمدِ ربّ العلمین

کس قدر ظاہر ہے نُور اُس مبدأ الانوار کا ۔۔۔ بن رہا ہے سارا عالم آئینہ اَبصار کا

چاند کو کل دیکھ کر مَیں سخت بے کل ہو گیا ۔۔۔ کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اُس میں جمالِ یار کا

اُس بہارِ حُسن کا دل میں ہمارے جوش ہے ۔۔۔ مت کرو کچھ ذکر ہم سے تُرک یا تاتار کا

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف ۔۔۔ جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں ۔۔۔ ہر ستارے میں تماشہ ہے تری چمکار کا

تو نے خود رُوحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک ۔۔۔ اُس سے ہے شورِ محبت عاشقانِ زار کا

کیا عجب تو نے ہر اک ذرّہ میں رکھے ہیں خواص ۔۔۔ کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر ان اسرار کا

تیری قدرت کا کوئی بھی انتہا پاتا نہیں ۔۔۔ کس سے کُھل سکتا ہے پیچ اس عُقدۂ دشوار کا

خوبرُویوں میں ملاحت ہے ترے اس حُسن کی ۔۔۔ ہر گل و گلشن میں ہے رنگ اس ترے گلزار کا

چشمِ مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے ۔۔۔ ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

آنکھ کے اندھوں کو حائل ہو گئے سَو سَو حجاب ۔۔۔ ورنہ تھا قبلہ ترا رُخ کافر و دیندار کا

ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اک تیغِ تیز ۔۔۔ جن سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا

تیرے ملنے کے لیے ہم مل گئے ہیں خاک میں ۔۔۔ تا مگر درماں ہو کچھ اس ہجر کے آزار کا

ایک دم بھی کل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا ۔۔۔ جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا

شور کیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر

خُوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

سُرمہ چشم آریہ صفحہ ۴ مطبوعہ ۱۸۸۶ء

علاماتِ المقرّبین

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار ۔۔۔ جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اُس پر نثار

اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب ۔۔۔ کہ راضی وُہ دلدار ہوتا ہے کب؟

اُسے دے چکے مال و جاں بار بار ۔۔۔ ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار

لگاتے ہیں دل اپنا اُس پاک سے

وُہی پاک جاتے ہیں اِس خاک سے

اِک کرشمہ اپنی قدرت کا دکھا ۔۔۔ تجھ کو سب قدرت ہے اے ربّ الوریٰ!

حق پرستی کا مٹا جاتا ہے نام

اِک نشاں دِکھلا کہ ہو حُجت تمام

۱؎ نشانِ آسمانی صفحہ ۴۶ (حاشیہ) مطبوعہ ۱۸۹۲ء

۲؎ آسمانی فیصلہ صفحہ ۸ مطبوعہ ۱۸۹۲ء

حمد وثنا

حمد وثنا اُسی کو جو ذات جاودانی   ہمسر نہیں ہے اُس کا کوئی نہ کوئی ثانی
باقی وہی ہمیشہ غیر اُسکے سب ہیں فانی   غیروں سے دِل لگانا جھوٹی ہے سب کہانی

سب غیر ہیں وہی ہے اِک دِل کا یارِ جانی

دِل میں مرے یہی ہے سُبْحٰنَ مَنْ یَّرَانِیْ

ہے پاک پاک قدرت عظمت ہے اسکی عظمت   لرزاں ہیں اہلِ قربت کرّوبیوں پہ ہیبت
ہے عام اسکی رحمت کیونکر ہو شکرِ نعمت   ہم سب ہیں اسکی صنعت اس سے کرو محبت

غیروں سے کرنا اُلفت کب چاہے اسکی غیرت

یہ روز کر مُبارک سُبْحٰنَ مَنْ یَّرَانِیْ

جو کچھ ہمیں ہے راحت سب اس کی جُود و منّت   اُس سے ہے دِل کو بیعت دل میں ہے اسکی عظمت

بہتر ہے اُس کی طاعت طاعت میں ہے سعادت

یہ روز کر مُبارک سُبْحٰنَ مَنْ یَّرَانِیْ

سب کا وہی سہارا رحمت ہے آشکارا   ہم کو وہی پیارا دِلبر وہی ہمارا

اُس بِن نہیں گذارا غیر اُس کے جُھوٹ سارا

یہ روز کر مُبارک سُبْحٰنَ مَنْ یَّرَانِیْ

یارب ہے تیرا احساں مَیں تیرے در پہ قرباں   تُو نے دیا ہے ایماں تو ہر زماں نگہباں

مطبوعہ ۷؍ جون ۱۸۹۷ء

تجھے سب زور و قُدرت ہے خُدایا   تجھے پایا ہر اِک مطلب کو پایا
ہر اِک عاشق نے ہے اِک بُت بنایا   ہمارے دِل میں یہ دِلبر سمایا
وُہی آرام جاں اور دِل کو بھایا   وُہی جس کو کہیں رَبّ البرایا

ہوا ظاہر وہ مجُھ پر بِالْاَیَادِیْ

فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

مُجھے اُس یار سے پیوندِ جاں ہے   وُہی جنّت، وہی دارالاماں ہے
بیاں اس کا کروں طاقت کہاں ہے   محبّت کا تو اِک دریا رواں ہے

یہ کیا اِحساں ہیں تیرے میرے ہادی

فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

تری نعمت کی کچھ قِلّت نہیں ہے   تہی اِس سے کوئی ساعت نہیں ہے
شمارِ فضل اور رحمت نہیں ہے   مُجھے اَب شُکر کی طاقت نہیں ہے

یہ کیا اِحساں ترے ہیں میرے ہادی

فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

ترے کُوچے میں کِن راہوں سے آؤں   وُہ خدمت کیا ہے جس سے تجھ کو پاؤں
محبّت ہے کہ جس سے کھینچا جاؤں   خُدائی ہے خودی جس سے جلاؤں
محبّت چیز کیا کِس کو بتاؤں   وفا کیا راز ہے کِس کو سُناؤں
مَیں اِس آندھی کو اب کیونکر چُھپاؤں   یہی بہتر کہ خاک اپنی اُڑاؤں

کہاں ہم اور کہاں دُنیائے مادی

فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

کوئی اُس پاک سے جو دل لگاوے   کرے پاک آپکو تب اُس کو پاوے

تعلّق باللّٰہ

کبھی نُصرت نہیں مِلتی درِ مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وُہ اپنے نیک بندوں کو
وُہی اُس کے مقرّب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں رہ اُس کی عالی بارگہ تک خُود پسندوں کو
یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اُس سے قُربت کو
اُسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جَلاؤ سب کمندوں کو

ضمیمہ تریاق القلُوب ؎ صفحہ اوّل مطبُوعہ ۱۹۰۲ء

بِن دیکھے کیسے پاک ہو اِنساں گُناہ سے
اِس چاہ سے نکلتے ہیں لوگ اُس کی چاہ سے
تصویرِ شیر سے نہ ڈرے کوئی گوسپند
نے مارِ مُردہ سے ہے کچُھ اندیشۂ گزند
پھر وُہ خُدا جو مُردہ کی مانند ہے پڑا
پس کیا اُمید اَیسے سے اور خوف اُس سے کیا
اَیسے خُدا کے خوف سے دِل کیسے پاک ہو
سینہ میں اس کے عشق سے کیونکر تپاک ہو
بِن دیکھے کس طرح کِسی مہ رُخ پہ آئے دِل
کیونکر کوئی خیالی صنم سے لگائے دِل
دِیدار گر نہیں ہے تو گفتار ہی سہی
حُسن و جمالِ یار کے آثار ہی سہی
جب تک خُدائے زندہ کی تم کو خبر نہیں
بے قید اور دلیر ہو کچھ دِل میں ڈر نہیں
سَو روگ کی دَوا یہی وصلِ الٰہی ہے
اِس قید میں ہر ایک گنہ سے رہائی ہے
پر جس خُدا کے ہونے کا کچُھ بھی نہیں نشاں
کیونکر نثار اَیسے پہ ہو جائے کوئی جاں
ہر چیز میں خُدا کی ضیاء کا ظہُور ہے
پر پھر بھی غافلوں سے وُہ دِلدار دُور ہے

جو خاک میں ملے اُسے ملتا ہے آشنا
اَے آزمانے والے ! یہ نسخہ بھی آزما

عاشق جو ہیں وُہ یار کو مرمر کے پاتے ہیں
جب مر گئے تو اس کی طرف کھینچے جاتے ہیں

یہ راہ تنگ ہے پہ یہی ایک راہ ہے
دِلبر کی مرنے والوں پہ ہر دم نگاہ ہے

ناپاک زِندگی ہے جو دُوری میں کٹ گئی
دیوار زُھدِ خشک کی آخر کو پھٹ گئی

زندہ وُہی ہیں جو کہ خُدا کے قریب ہیں
مقبول بن کے اُس کے عزیز و حبیب ہیں

اِسلام چیز کیا ہے ؟ خُدا کے لیے فنا
ترکِ رضائے خویش پئے مرضیٔ خُدا

جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات
اس رہ میں زندگی نہیں مِلتی بجُز ممات

شوخی و کِبر دیوِ لعیں کا شعار ہے
آدم کی نسل وُہ ہے جو وُہ خاکسار ہے

اَے کِرمِ خاک ! چھوڑ دے کِبر و غرُور کو
زیبا ہے کِبر حضرتِ ربّ غیور کو

بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
شاید اِسی سے دخل ہو دارالوِصال میں

چھوڑو غرُور و کبر کہ تقویٰ اِسی میں ہے
ہو جاؤ خاک مرضیٔ مولےٰ اِسی میں ہے

آخر کو وُہ خدا جو کریم و قدیر ہے
جو عالِمُ القلوب و علیم و خبیر ہے

اُترا مری مدد کے لیے کر کے عہد یاد
پس رہ گئے وہ سارے سِیَہ رُوی و نامُراد

کچُھ ایسا فضلِ حضرتِ ربّ الوریٰ ہُوا
سب دُشمنوں کے دیکھ کے اوساں ہوئے خطا

اِک قطرہ اُس کے فضل نے دریا بنا دیا
بِیں خاک تھا اُسی نے ثریّا بنا دِیا

مُناجات

براہین احمدیہ حِصّہ پنجم صفحہ ۹۷ مطبوعہ ۱۹۰۸ء

اَے خُدا اَے کارساز و عیب پوش و کردگار
اَے مرے پیارے مرے محسن مرے پروردگار

کِس طرح تیرا کروں اَے ذُوالمِنَن شکر و سپاس
وُہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

اک نہ اک دن پیش ہوگا تو فنا کے سامنے — چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضا کے سامنے

چھوڑنی ہوگی تجھے دُنیائے فانی ایکدن — ہر کوئی مجبور ہے حُکم خدا کے سامنے

مستقل رہنا ہے لازم اَے بشر تجھکو سدا — رنج وغم یاس والم فکر و بلا کے سامنے

بارگاہِ ایزدی سے تُو نہ یُوں مایُوس ہو — مشکلیں کیا چیز ہیں مشکل کشا کے سامنے

حاجتیں پُوری کریں گے کیا تری عاجز بشر — کر بیاں سب حاجتیں حاجت روا کے سامنے

چاہیے تجھ کو مٹانا قلب سے نقشِ دُوئی — سر جُھکا بس مالکِ ارض و سما کے سامنے

چاہیئے نفرت بدی سے اور نیکی سے پیار — ایکدن جانا ہے تجھکو بھی خدا کے سامنے

راستی کے سامنے کب جھوٹ پھلتا ہے بھلا
قدر کیا پتھر کی لعلِ بے بہا کے سامنے

اخبار "الفضل" ۱۳ر جنوری ۱۹۲۸ء

مُتفرق اشعار

۱- نہیں محصُور ہرگز راستہ قدرت نمائی کا
خُدا کی قدرتوں کا حصر دعویٰ ہے خدائی کا

❁

۲- قُدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت — اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے

جس بات کو کہے کہ کرُوں گا یہ مَیں ضرُور — ٹلتی نہیں وُہ بات خدائی یہی تو ہے

❁

۳- جس نے پیدا کیا وہی جانے — دُوسرا کیونکر اس کو پہچانے

غیر کو غیر کی خبر کیا ہو — نظرِ دُور کارگر کیا ہو

❁

۴- ہم نے اُلفت میں تری بار اُٹھایا کیا کیا
تجھ کو دکھلا کے فلک نے ہے دکھایا کیا کیا

❁

۵- جو ہمارا تھا وُہ اب دِلبر کا سارا ہوگیا — آج ہم دِلبر کے اور دِلبر ہمارا ہوگیا

شکر للہ! مل گیا ہم کو وہ لعلِ بے بدل — کیا ہوا گر قوم کا دل سنگ خارا ہوگیا

❁

۱- براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ ۱۸۸۴ء ۲- اِشتہار اعلان مطبوعہ ریاض ہند امرتسر ۲۲ر مارچ ۱۸۸۶ء

۳- سُرمہ چشم آریہ صفحہ ۱۸۴ مطبوعہ ۱۸۸۶ء ۴- اشتہار محک اخیار و اشرار (سرمہ چشم آریہ) مطبوعہ ۱۸۸۶ء

۵- ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ ۶۶۵ مطبوعہ ۱۸۹۱ء

حصہ دوم

دلائل ہستی باری تعالیٰ

ARGUMENTS FOR THE EXISTENCE OF GOD

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱؎ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُۨ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـــُٔـوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۲؎ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۳؎ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ڰ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَاۗبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۝۴؎

ترجمہ: اللہ جو جامع صفاتِ کاملہ اور مستحق عبادت ہے اُس کا وجود بدیہی الثبوت ہے کیونکہ وہ حیّ بالذات اور قائم بالذات ہے بجز اُس کے کوئی چیز حیّ بالذات اور قائم بالذات نہیں یعنے اُس کے بغیر کسی چیز میں یہ صفت پائی نہیں جاتی کہ بغیر کسی علّتِ موجدہ کے آپ ہی موجود اور قائم رہ سکے یا کہ اِس عالم کی جو کمال حکمت اور ترتیب محکم اور موزون سے بنا گیا ہے علّتِ موجبہ ہو سکے۔

۱؎ الانعام: ۱۰۱ ۲؎ التوبة: ۳۰-۳۱ ۳؎ مریم: ۳۶ ۴؎ الحج: ۱۸-۱۹

پس جو چیزیں نہ ضروری الوجود ہیں نہ ضروری القیام بلکہ اُن کا کبھی نہ کبھی بگڑ جانا اُن کے باقی رہنے سے زیادہ تر قرینِ قیاس ہے اُن پر کبھی زوال نہ آنا اور احسن طور پر بہ ترتیب محکم اور ترکیب ابلغ اُن کا وجود اور قیام پایا جانا اور کروڑہا ضروریاتِ عالم میں سے کبھی کسی چیز کا مفقود نہ ہونا صریح اس بات پر نشان ہے کہ اُن سب کے لئے ایک محیی اور محافظ اور قیّوم ہے جو جامع صفاتِ کاملہ یعنے مدبّر اور حکیم اور رحمان اور رحیم اور اپنی ذات میں ازلی ابدی اور ہریک نقصان سے پاک ہے جس پر کبھی موت اور فنا طاری نہیں ہوتی بلکہ اُونگھ اور نیند سے بھی جو فی الجملہ موت سے مشابہ ہے پاک ہے سو وہی ذات جامع صفاتِ کاملہ ہے جس نے اس عالم امکانی کو برعایتِ کمال حکمت و موزونیت وجود عطا کیا اور ہستی کو نیستی پر ترجیح بخشی اور وُہی بوجہ اپنی کمالیّت اور خالقیت اور ربوبیت اور قیّومیت کے مستحق عبادت ہے۔ یہانتک تو ترجمہ اِس آیت کا ہُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْـحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا تَاْخُذُهٗ سِـنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۝۵؎ اب بنظرِ انصاف دیکھنا چاہیئے کہ کس بلاغت اور لطافت اور متانت اور حکمت سے اِس آیت میں وجودِ صانع عالم پر دلیل بیان فرمائی ہے اور کس قدر تھوڑے لفظوں میں معانی کثیرہ اور لطائفِ حکمیہ کو کُوٹ کُوٹ کر بھر دیا ہے اور مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کے لئے ایسی محکم دلیل سے وجود ایک خالق کامل الصفات کا ثابت کر دکھایا ہے جس کے کامل اور محیط بیان کے برابر کسی حکیم نے آجتک کوئی تقریر بیان نہیں کی بلکہ حکماء ناقص الفہم نے ارواح اور اجسام کو حادث بھی نہیں سمجھا اور اِس

۵؎ البقرة: ۲۵۶

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱

رازِ دقیق سے بیخبر ہے کہ حیاتِ حقیقی اور ہستی حقیقی اور قیامِ حقیقی صرف خدا ہی کیلئے مسلّم ہے
یہ عمیق معرفت اسی آیت سے انسان کو حاصل ہوتی ہے جس میں خدا نے فرمایا کہ حقیقی طور پر زندگی
اور بقاءِ زندگی صرف اللہ کے لئے حاصل ہے جو جامع صفاتِ کاملہ ہے اُس کے بغیر کسی
دُوسری چیز کو وجودِ حقیقی اور قیامِ حقیقی حاصل نہیں اور اسی بات کو صانعِ عالم کی ضرورت
کے لئے دلیل ٹھہرایا اور فرمایا لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ یعنے جبکہ عالم کے لئے
نہ حیاتِ حقیقی حاصل ہے نہ قیامِ حقیقی تو بالضرور اس کو ایک علّتِ موجبہ کی حاجت ہے
جس کے ذریعہ سے اُس کو حیات اور قیام حاصل ہوا۔ اور ضرور ہے کہ ایسی علّتِ موجبہ
جامع صفاتِ کاملہ اور مُدبّر بالارادہ اور حکیم اور عالم الغیب ہو۔ سو وُہی اللہ ہے۔ کیونکہ
اللہ بموجب اصطلاح قرآنِ شریف کے اُس ذات کا نام ہے جو مستجمع کمالاتِ تامہ ہے۔
اسی وجہ سے قرآنِ شریف میں اللہ کے اسم کو جمیع صفاتِ کاملہ کا موصوف ٹھہرایا ہے
اور جابجا فرمایا ہے کہ اللہ وہ ہے جو کہ ربّ العالمین ہے رحمان ہے رحیم ہے مُدبّر
بالارادہ ہے حکیم ہے۔ عالم الغیب ہے قادرِ مطلق ہے ازلی ابدی ہے وغیرہ وغیرہ۔ سو
یہ قرآنِ شریف کی ایک اصطلاح ٹھہر گئی ہے کہ اللہ ایک ذاتِ جامع جمیع صفاتِ کاملہ کا نام
ہے۔ اِسی جہت سے اِس آیت کے سر پر بھی اللہ کا اسم لائے اور فرمایا اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا
ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ یعنے اِس عالمِ بے ثبات کا قیوم ذاتِ جامع الکمالات ہے۔ یہ
اِس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ عالم جس ترتیبِ محکم اور ترکیبِ ابلغ سے موجود اور
مُترتب ہے اُس کے لئے یہ گمان کرنا باطل ہے کہ اُنہیں چیزوں میں سے بعض چیزیں
بعض کے لئے علّتِ موجبہ ہو سکتی ہیں

حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱

اور وُہی زمین میں خدا۔ وُہی اوّل ہے اور وُہی آخر۔ وُہی ظاہر ہے وُہی باطن۔ آنکھیں اُس کی
کُنہ دریافت کرنے سے عاجز ہیں اور اُس کو آنکھوں کی کُنہ معلوم ہے وُہ سب کا خالق
ہے اور کوئی چیز اُس کی مانند نہیں اور اُس کے خالق ہونے پر یہ دلیل واضح ہے کہ ہر یک
چیز کو ایک اندازۂ مقرری میں محصُور اور محدود پیدا کیا ہے جس سے وجود اُس ایک حاصر
اور محدّد کا ثابت ہوتا ہے اُس کیلئے تمام محامد ثابت ہیں اور دُنیا و آخرت میں وُہی منعمِ
حقیقی ہے اور اسی کے ہاتھ میں ہر یک حکم ہے اور وُہی تمام چیزوں کا مرجع و مآب ہے۔
خدا ہر یک گناہ کو بخش دیگا جس کے لئے چاہے گا۔ پر شرک کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ سو جو شخص خدا
کی ملاقات کا طالب ہے اُسے لازم ہے کہ ایسا عمل اختیار کرے جس میں کسی نوع کا فساد نہ ہو
اور کسی چیز کو خدا کی بندگی میں شریک نہ کرے۔ تو خدا کے ساتھ کسی دُوسری چیز کو ہرگز
شریک مت ٹھہراؤ خدا کا شریک ٹھہرانا سخت ظلم ہے۔ تُو بجُز خدا کے کسی اور سے مُرادیں
مت مانگ سب ہلاک ہو جائینگے ایک اُسی کی ذات باقی رہ جاویگی۔ اُسی کے ہاتھ میں حکم
ہے اور وہی تمہارا مرجع ہے۔ تیرے خدا نے یہ چاہا ہے کہ تُو فقط اُسی کی بندگی کر اور اپنے
ماں باپ سے احسان کرتا رہ اور اگر تجھے اس بات کی طرف بہکاویں کہ تو میرے ساتھ کسی اور کو
شریک ٹھہراوے تو اُنکا کہا مت مان۔ اگر تجھے کوئی تکلیف پہنچے تو بجز خدا اور کوئی تیرا یار نہیں
کہ اس تکلیف کو دُور کرے!

ص ۲۳۶
ص ۲۳۶
ص ۲۳۶

دلائل ہستی باریتعالیٰ

اب دیکھو کہ عقلی طور پر قرآن شریف نے خدا کی ہستی پر کیا کیا عمدہ اور بے مثل دلائل دیئے ہیں جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے:۔

رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی

یعنی خدا وہ خدا ہے کہ جس نے ہر ایک شے کے مناسب حال اس کو پیدائش بخشی۔ پھر اس شے کو اپنے کمالات مطلوبہ حاصل کرنے کے لئے راہ دکھلادی۔ اب اگر اس آیت کے مفہوم پر نظر رکھ کر انسان سے لے کر تمام بحری اور برّی جانوروں اور پرندوں کی بناوٹ تک دیکھا جائے تو خدا کی قدرت یاد آتی ہے۔ کہ ہر ایک چیز کی بناوٹ اس کے مناسب حال معلوم ہوتی ہے۔ پڑھنے والے خود سوچ لیں کیونکہ یہ مضمون بہت وسیع ہے۔

دوسری دلیل خدا تعالیٰ کی ہستی پر قرآن شریف نے خدا تعالیٰ کا علت العلل ہونا قرار دیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے:۔

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی

یعنی تمام سلسلہ علل و معلولات کا تیرے رب پر ختم ہو جاتا ہے۔ تفصیل اس دلیل کی یہ ہے کہ نظر تعمق سے معلوم ہوگا کہ یہ تمام موجودات علل و معلول کے سلسلہ سے مربوط ہے۔ اور اسی وجہ سے دنیا میں طرح طرح کے علوم پیدا ہو گئے ہیں کیونکہ کوئی حصہ مخلوقات کا نظام سے باہر نہیں بعض بعض کے لئے بطور اصول اور بعض بطور فروع کے ہیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ علت یا تو خود اپنی ذات سے قائم ہوگی یا اس کا وجود کسی دوسری علت کے وجود پر منحصر ہوگا۔ اور پھر یہ دوسری علت کسی اور علت پر۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور یہ تو جائز نہیں کہ اس محدود دنیا میں علل و معلول کا سلسلہ کہیں جا کر ختم نہ ہو اور غیر متناہی ہو۔ تو بالضرورت ماننا پڑا کہ یہ سلسلہ ضرور کسی آخیر علت پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ پس جس پر اس تمام کی انتہا ہے وہی خدا ہے۔ آنکھ کھول کر دیکھ لو کہ آیت وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی اپنے مختصر لفظوں میں کس طرح اس دلیل مذکورہ بالا کو بیان فرما رہی ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ انتہا تمام سلسلہ کی تیرے رب تک ہے۔

پھر ایک اور دلیل اپنی ہستی پر یہ دی جیسا کہ فرماتا ہے۔

؎ طٰہٰ: ۵۱ ؎ النجم: ۴۳

لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ

یعنی آفتاب چاند کو پکڑ نہیں سکتا اور نہ رات جو مظہر ماہتاب ہے دن پر جو مظہر آفتاب ہے کچھ تسلط کر سکتی ہے۔ یعنی کوئی ان میں سے اپنی حدود مقررہ سے باہر نہیں جاتا۔ اگر ان پر درپردہ کوئی مدبر نہ ہو تو یہ تمام سلسلہ درہم برہم ہو جائے۔ یہ دلیل ہیئت پر غور کرنے والوں کے لئے نہایت فائدہ بخش ہے کیونکہ اجرام فلکی کے اتنے بڑے عظیم الشان اور بے شمار گولے ہیں جن کے تھوڑے سے بگاڑ سے تمام دنیا تباہ ہو سکتی ہے یہ کیسی قدرت حق ہے۔ کہ وہ آپس میں نہ ٹکراتے ہیں نہ بال بھر رفتار بدلتے اور نہ اتنی مدت تک کام دینے سے کچھ گھسے اور نہ ان کی کلوں پرزوں میں کچھ فرق آیا۔ اگر سر پر کوئی محافظ نہیں تو کیونکر اتنا بڑا کارخانہ بے شمار برسوں سے خود بخود چل رہا ہے۔ انہیں حکمتوں کی طرف اشارہ کر کے خدا تعالیٰ دوسرے مقام میں فرماتا ہے:۔

اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

یعنی کیا خدا کے وجود میں شک ہو سکتا ہے جس نے ایسے آسمان اور ایسی زمین بنائی۔

پھر ایک لطیف دلیل اپنی ہستی پر فرماتا ہے اور وہ یہ ہے:۔

كُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ

یعنی ہر ایک چیز معرض زوال میں ہے۔ اور جو باقی رہنے والا ہے وہ خدا ہے جو جلال والا اور بزرگی والا ہے۔ اب دیکھو کہ اگر ہم فرض کر لیں کہ ایسا ہو کہ زمین ذرہ ذرہ ہو جائے اور

اجرام فلکی بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور ان پر معدوم کرنے والی ایک ایسی ہوا چلے۔ جو تمام نشان ان چیزوں کے مٹا دے۔ مگر پھر بھی عقل اس بات کو مانتی اور قبول کرتی ہے۔ بلکہ صحیح کانشنس اس کو ضروری سمجھتا ہے کہ اس تمام نیستی کے بعد بھی ایک چیز باقی رہ جائے جس پر

۱ یٰسٓ: ۸۱ ۲ ابراھیم: ۱۱ ۳ الرحمٰن: ۲۷-۲۸

فنا طاری نہ ہو اور تبدّل اور تغیّر کو قبول نہ کرے اور اپنی پہلی حالت پر باقی رہے پس وہ وہی خدا ہے جو تمام فانی صورتوں کو ظہور میں لایا اور خود فنا کی دست بُرد سے محفوظ رہا۔

پھر ایک اور دلیل اپنی ہستی پر قرآن شریف میں پیش کرتا ہے:۔

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی [۱]

یعنی میں نے رُوحوں کو کہا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں۔ انہوں نے کہا۔ کیوں نہیں۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ قصہ کے رنگ میں رُوحوں کی اس خاصیت کو بیان فرماتا ہے جو ان کی فطرت میں اس نے رکھی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی رُوح فطرت کی رُو سے خدا تعالیٰ کا انکار نہیں کر سکتی۔ صرف منکروں کو اپنے خیال میں دلیل نہ ملنے کی وجہ سے انکار ہے۔ مگر باوجود اس انکار کے وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ ہر ایک حادث کے واسطے ضرور ایک مُحدِث ہے۔ دنیا میں ایسا کوئی نادان نہیں کہ اگر مثلاً بدن میں کوئی بیماری ظاہر ہو تو وہ اس بات پر اصرار کرے کہ درپردہ اس بیماری کے ظہور کی کوئی علت نہیں۔ اگر یہ سلسلہ دنیا کا عِلل اور معلول سے مربُوط نہ ہوتا۔ تو قبل از وقت یہ بتا دینا کہ فُلاں تاریخ طوفان آئے گا یا آندھی یا خسوف ہوگا یا کسوف ہوگا یا فُلاں وقت بیمار مر جائے گا یا فُلاں وقت تک بیماری کے ساتھ فُلاں بیماری لاحق ہو جائے گی۔ یہ تمام باتیں غیر ممکن ہو جاتیں۔ پس ایسا مُحقّق اگرچہ خدا کے وجُود کا اقرار نہیں کرتا۔ مگر ایک طور سے تو اس نے اقرار کر ہی دیا کہ وہ بھی ہماری طرح معلولات کے لئے عِلل کی تلاش میں ہے۔ پس یہ بھی ایک قسم کا اقرار ہے اگرچہ کامل اقرار نہیں۔ ماسوا اس کے اگر کسی ترکیب سے ایک منکر وجُود باری کو ایسے طور سے بے ہوش کیا جائے کہ وہ اس سِفلی زندگی کے خیالات سے بالکل الگ ہو کر اور تمام

۱ الاعراف: ۱۷۳

ارادوں سے معطّل رہ کر اعلیٰ ہستی کے قبضہ میں ہو جائے تو وہ اس صورت میں خدا کے وجود کا اقرار کرے گا۔ انکار نہیں کرے گا۔ جیسا کہ اس پر بڑے بڑے مجرّبین کا تجربہ ہے۔ سو ایسی حالت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے اور مطلب آیت یہ ہے کہ انکارِ وجودِ باری صرف سِفلی زندگی تک ہے ورنہ اصل فِطرت میں اقرار بھرا ہوا ہے۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ یعنی وہی خدا ہے جو تمام عالموں کا پرورش کرنے والا۔ رحمٰن رحیم اور جزا کے دن کا آپ مالِک ہے۔ اس اختیار کو کسی کے ہاتھ میں نہیں دیا۔ ہر ایک پکارنے والے کی پُکار کو سُننے والا اور جواب دینے والا یعنی دُعاؤں کا قبول کرنے والا۔ اور پھر فرمایا۔ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ یعنی ہمیشہ رہنے والا اور تمام جانوں کی جان اور سب کے وجود کا سہارا۔ یہ اس لئے کہا کہ وہ ازلی ابدی نہ ہو تو اس کی زندگی کے بارے میں بھی دھڑکا رہے گا کہ شائد ہم سے پہلے فوت نہ ہو جائے۔ اور پھر فرمایا کہ وہ خدا اکیلا خدا ہے نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی اس کا بیٹا۔ اور نہ کوئی اس کے برابر اور نہ کوئی اس کا ہم جنس۔

اور یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید کو صحیح طور پر ماننا اور اس میں زیادت یا کمی نہ کرنا۔ یہ وہ عدل ہے جو انسان اپنے مالکِ حقیقی کے حق میں بجا لاتا ہے۔ یہ تمام حصّہ اخلاقی تعلیم کا ہے جو قرآن شریف کی تعلیم میں سے درج ہوا۔ اس میں اصول یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام اخلاق کو افراط اور تفریط سے بچایا ہے۔ اور ہر ایک خُلق کو اس حالت میں خُلق کے نام سے موسُوم کیا ہے۔ کہ جب اپنی واقعی اور واجب حد سے کم و بیش نہ ہو۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نیکی حقیقی وہی چیز ہے جو دو حدّوں کے وسط میں ہوتی ہے یعنی زیادتی اور کمی یا افراط اور تفریط کے درمیان ہوتی ہے۔ ہر ایک عادت جو وسط کی طرف کھینچے اور وسط پر قائم کرے وہی شُلقِ فاضل کو پیدا کرتی ہے۔ محل اور موقعہ کا پہچاننا ایک وسط ہے۔ مثلاً اگر زمیندار اپنا تخم وقت سے پہلے بو دے یا وقت کے بعد۔ دونوں صورتوں میں وہ وسط کو چھوڑتا ہے۔ نیکی اور حق اور حکمت سب وسط میں ہے اور

وسط موقع بیٹھی ہیں۔ یا یوں سمجھ لو کہ حق وہ چیز ہے کہ ہمیشہ دو متقابل باطلوں کے وسط میں
ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ عین موقع کا التزام ہمیشہ انسان کو وسط میں رکھتا ہے اور
شناسی کے بارے میں وسط کی شناخت یہ ہے کہ خدا کی صفات بیان کرنے میں نہ تو نفی
کے پہلو کی طرف جھک جائے اور نہ خدا کو جسمانی چیزوں کا مشابہ قرار دے

اور نور الانوار کے سہارے سے غافل ہیں جس کے وجود کے سوا کوئی ہستی حقیقی نہیں۔ افسوس کہ یہ لوگ
نہیں سوچتے کہ وہی تو ہے جو ہر یک فیض کا مبدا اور ہر یک زندگی کا سرچشمہ اور ہر یک قوت کا ستون اور ہر یک
وجود کا سہارا ہے اور انہیں معنوں کے رو سے تو اس کو خدا ماننا پڑا ہے سو اسی کا یہ فضل و احسان ہے کہ
دنیا کو تاریکی اور غفلت اور جہالت میں پا کر ایک نور بھیجا اور وہ نور جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ہے دنیا میں آیا اور خدا کا مقدس کلام قرآن شریف اس پر نازل ہوا اور ہم کو علمی اور عملی پاکیزگی کیلئے
بھی راہیں دکھلائیں۔ پس اس عالیشان نبی اور اس کے آل و اصحاب پر ہماری طرف سے بیشمار درود اور
سلام ہو جس نے کروڑ ہا لوگوں کو تاریکی سے نکالا اور پلید عقیدوں اور قابل شرم عملوں اور نفرتی رسموں
سے رہائی بخشی۔

آریہ دھرم 2

اسلام کا خدا

جان لیں کہ اسلام کا خدا ایسا گورکھ دھندا نہیں کہ اسے عقل پر پتھر مار کر بہ جبر منوایا جائے۔
صحیفہ فطرت میں کوئی بھی ثبوت اس کے لیے نہ ہو، بلکہ فطرت کے وسیع اوراق میں
اس قدر نشانات ہیں، جو صاف بتلاتے ہیں کہ وہ ہے، ایک ایک چیز اس کائنات میں اس نشان اور تختہ کی طرح ہے
سڑک اور گلی کے سر پر اس سڑک یا محلہ یا شہر کا نام معلوم کرنے کے لیے لگایا جاتا ہے۔ خدا کی طرف راہنمائی کرتی ہے
اس موجودہ ہستی کا پتہ ہی نہیں بلکہ مطمئن کر دینے والا ثبوت دیتی ہے۔ زمین و آسمان کی شہادتیں کسی مصنوعی اور بناوٹی
خدا کی ہستی کا ثبوت نہیں دیتیں۔ بلکہ اس خدائے اَحَد اَلصَّمَد لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ کی ہستی کو دکھاتی ہیں جو زندہ
خدا ہے اور جسے اسلام پیش کرتا ہے، چنانچہ پادری فنڈر جس نے پہلے پہل ہندوستان میں آ کر مذہبی مناظروں میں
رکھا اور اسلام پر نکتہ چینیاں کیں، اپنی کتاب میزان الحق میں خود ہی سوال کے طور پر لکھتا ہے کہ اگر کوئی ایسا جزیرہ ہو
تثلیث کی تعلیم نہ دی گئی ہو۔ تو کیا وہاں کے رہنے والوں پر آخرت میں مواخذہ تثلیث کے عقیدہ کی بنا پر ہوگا؟ پھر
ہی جواب دیتا ہے کہ ان سے توحید کا مواخذہ ہوگا۔ اس سے سمجھ لو کہ اگر توحید کا نقش ہر ایک شے میں نہ پایا جاتا اور

توحید کا نقش قدرت کی ہر چیز میں رکھا ہوا ہے

بات اصل میں یہ ہے کہ انسان کی فطرت ہی میں
اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی (الاعراف: ۱۷۲)
نقش کیا گیا ہے اور تثلیث سے کوئی مناسبت جبلت انسانی اور تمام اشیائے عالم کو نہیں۔ ایک قطرہ پانی کا دیکھو، تو وہ
گول نظر آتا ہے مثلث کی شکل میں نظر نہیں آتا۔ اس سے بھی صاف طور پر یہی پایا جاتا ہے کہ توحید کا نقش قدرت کی ہر ایک
چیز میں رکھا ہوا ہے۔ خوب غور سے دیکھو کہ پانی کا قطرہ گول ہوتا ہے اور کروی شکل میں توحید ہی ہوتی ہے، اس لیے
کہ وہ جہت کو نہیں چاہتی اور مثلث شکل جہت کو چاہتی ہے، چنانچہ آگ کو دیکھو شکل بھی مخروطی ہے اور وہ بھی کرویت
اپنے اندر رکھتی ہے۔ اس سے بھی توحید کا نور چمکتا ہے۔ زمین کو لو۔ اور انگریزوں ہی سے پوچھو کہ اس کی شکل کیسی ہے؟ کہیں
گے گول۔ الغرض طبعی تحقیقاتیں جہاں تک ہوتی چلی جائیں گی وہاں توحید ہی توحید نکلتی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس آیت
اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران: ۱۹۱) میں بتلاتا ہے کہ جس خدا کو قرآن مجید پیش کرتا ہے۔ اس کے لیے
زمین و آسمان دلائل سے بھرے پڑے ہیں۔

مجھے ایک حکیم کا مقولہ بہت ہی پسند آتا ہے۔ کہ اگر کل کتابیں دریا برد کر دی جاویں، تو پھر بھی اسلام کا خدا باقی رہ
جائے گا۔ اس لیے کہ وہ مثلث اور کہانی نہیں۔ اصل میں پختہ بات وہی ہے، جس کی صداقت کسی خاص چیز پر منحصر نہ
ہو کہ اگر وہ نہ ہو تو اس کا پتہ ہی نہ دارد۔ قصہ کہانی کا نقش نہ دل پر ہوتا، نہ صحیفہ فطرت میں جبتک کسی پنڈت، پاندھے
یا پادری نے یاد رکھا۔ ان کا کوئی وجود مسلّم رہا۔ زاں بعد حرف غلط کی طرح مٹ گیا۔

خداشناسی کی ضرورت

یہ دنیا چند روزہ ہے اور ایسا مقام ہے کہ آخر فنا ہے۔ اندر ہی اندر
اس فنا کا سامان لگا ہوا ہے وہ اپنا کام کر رہا ہے مگر خبر نہیں ہوتی اس
لیے خداشناسی کی طرف قدم جلد اٹھانا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کا مزا اسے آتا ہے جو اسے شناخت کرے اور جو اس کی طرف
صدق و وفا سے قدم نہیں اٹھاتا اس کی دعا کھلے طور پر قبول نہیں ہوتی۔ اور کوئی نہ کوئی حصہ تاریکی کا اسے لگا ہی
رہتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف ذرا سی حرکت کرو گے تو وہ اس سے زیادہ تمہاری طرف حرکت کرے گا، لیکن اول
تمہاری طرف سے حرکت کا ہونا ضروری ہے۔ یہ خام خیالی ہے کہ بلا حرکت کئے اس سے کسی قسم کی توقع رکھی جاوے
یہ سنت اللہ اسی طریق سے جاری ہے کہ ابتدا میں انسان سے ایک فعل صادر ہوتا ہے۔ پھر اس پر خدا تعالیٰ کا ایک
فعل نتیجۃً ظاہر ہوتا ہے۔ اگر ایک شخص اپنے مکان کے کل دروازے بند کر دے گا تو یہ بند کرنا اس کا فعل ہوگا۔
خدا تعالیٰ کا فعل اس پر یہ ظاہر ہوگا کہ اس مکان میں اندھیرا ہو جاوے گا لیکن انسان کو اس کوچہ میں پڑ کر صبر سے
کام لینا چاہیئے۔

خداشناسی، البدر 8 جنوری 1904ء

اشارہ فرمایا گیا ہے کہ والشمس وضحٰھا والقمر اذا تلٰھا[1] جیسا کہ اگر آفتاب نہ ہو تو ماہتاب
کا وجود بھی ناممکن ہے۔ اسی طرح اگر انبیاء علیہم السلام نہ ہوں جو نفوس کاملہ ہیں تو اولیا کا وجود بھی
امکان سے خارج ہے اور یہ قانون قدرت ہے جو آنکھوں کے سامنے نظر آرہا ہے چونکہ خدا واحد
ہے اس لئے اس نے اپنے کاموں میں بھی وحدت سے محبت کی اور کیا جسمانی اور کیا روحانی طور پر ایک وجود
ہزاروں کو وجود بخشتا رہا۔ سو انبیاء جو افراد کاملہ ہیں وہ اولیاء اور صلحا کے رُوحانی باپ ٹھہرے جیسا
دوسرے لوگ اُن کے جسمانی باپ ہوتے ہیں۔ اور اسی انتظام سے خدا تعالیٰ نے اپنے تئیں مخلوق
پر ظاہر کیا تا اس کے کام وحدت سے باہر نہ جائیں اور انبیا کو آپ ہدایت دیکر اپنی معرفت کا آپ موجب
اور کسی نے اس پر یہ احسان نہیں کیا کہ اپنی عقل اور فہم سے اُس کا پتہ لگا کر اُس کی شہرت دی ہو بلکہ اُس کا خود یہ احسان
ہے کہ اس نے نبیوں کو بھیجکر آپ سوئی ہوئی خلقت کو جگایا اور ہر یک نے اس وراء الورا اور الطف اور
ادق ذات کا نام صرف نبیوں کے پاک الہام سے سُنا۔ اگر خدا تعالیٰ کے پاک نبی دنیا میں نہ آئے ہوتے
تو فلاسفر اور جاہل جہل میں برابر ہوتے۔ دانا کو دانائی میں ترقی کرنے کا موقعہ صرف نبیوں کی پاک
تعلیم نے دیا۔ اور ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ جبکہ انسان بچہ ہونے کی حالت میں بغیر تعلیم کے بولی بولنے
پر بھی قادر نہیں ہو سکتا۔ تو پھر اُس خدا کی شناخت پر جس کی ذات نہایت دقیق در دقیق پڑی ہے
کیونکر قادر ہو سکتا ہے۔

---

[1] الشمس: ۲-۳

۔ گھڑی کو اگر کسی نے بالارادہ نہیں بنایا، تو وہ کیوں اس قدر ایک باقاعدہ نظام کے ساتھ اپنی
حرکت کو قائم رکھ کر ہمارے واسطے فائدہ مند ہوتی ہے۔ ایسا ہی آسمان کی گھڑی کہ اُس کی ترتیب اور باقاعدہ اور باضابطہ
انتظام یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ بالارادہ خاص مقصد اور مطلب اور فائدہ کے واسطے بنائی گئی ہے۔ اس طرح انسان مصنوع
سے صانع کو اور تقدیر سے مقدر کو پہچان سکتا ہے۔

لیکن اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کے ثبوت کا ایک اور ذریعہ قائم کیا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ قبل
از وقت اپنے برگزیدوں کو کسی تقدیر سے اطلاع دے دیتا ہے اور اُن کو بتلا دیتا ہے کہ فلاں وقت اور فلاں دن میں میں
نے فلاں امر کو مقدر کر دیا ہے؛ چنانچہ وہ شخص جس کو خدا نے اس کام کے واسطے چُنا ہوا ہوتا ہے۔ پہلے سے لوگوں کو اطلاع
دے دیتا ہے کہ ایسا ہوگا اور پھر ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ اُس نے کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت کے واسطے
یہ ایسی دلیل ہے کہ ہر ایک دہریہ اس موقع پر شرمندہ اور لاجواب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہزاروں ایسے نشانات
عطا کیے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر لذیذ ایمان پیدا ہوتا ہے۔ ہماری جماعت کے اس قدر لوگ اس جگہ موجود ہیں۔
کون ہے جس نے کم از کم دو چار نشان نہیں دیکھے اور اگر آپ چاہیں تو کئی سو آدمی کو باہر سے بلوائیں اور اُن سے پُوچھیں۔
اس قدر احبار اور اخیار اور متقی اور صالح لوگ جو کہ ہر طرح سے عقل اور فراست رکھتے ہیں اور دُنیوی طور پر اپنے معقول روزگاروں
پر قائم ہیں۔ کیا ان کو تسلّی نہیں ہوئی۔ کیا اُنھوں نے ایسی باتیں نہیں دیکھیں جن پر انسان کبھی قادر نہیں ہے۔ اگر ان سے سوال
کیا جائے تو ہر ایک اپنے آپ کو اوّل درجہ کا گواہ قرار دے گا۔ کیا ممکن ہے کہ ایسے ہر طبقہ کے انسان، جن میں عاقل اور فاضل اور
طبیب اور ڈاکٹر اور سوداگر اور مشائخ سجادہ نشین اور وکیل اور معزز عہدہ دار ہیں۔ بغیر پُوری تسلّی پانے کے یہ اقرار کر سکتے
ہیں کہ ہم نے اس قدر آسمانی نشان بچشم خود دیکھے؟ اور جبکہ وہ لوگ واقعی طور پر ایسا اقرار کرتے ہیں جس کی تصدیق کے
لیے ہر وقت شخص مکذّب کو اختیار ہے، تو پھر سوچنا چاہیے کہ ان مجموعۂ اقرارات کا طالبِ حق کے لیے اگر وہ فی الحقیقت
طالبِ حق ہے کیا نتیجہ ہونا چاہیے۔ کم سے کم ایک ناواقف اتنا تو ضرور سوچ سکتا ہے کہ اگر اس گروہ میں جو لوگ ہر
طرح سے تعلیم یافتہ اور دانا اور آسودہ روزگار اور بفضلِ الٰہی مالی حالتوں میں دوسروں کے محتاج نہیں ہیں۔ اگر اُنھوں
نے پورے طور پر میرے دعوے پر یقین حاصل نہیں کیا اور پُوری تسلّی نہیں پائی تو کیوں وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر اور عزیزوں
سے علیحدہ ہو کر غربت اور مسافری میں اس جگہ میرے پاس بسر کرتے ہیں اور اپنی اپنی مقدرت کے موافق مالی امدادیں
میرے سلسلہ کے لیے فدا اور دلدادہ ہیں۔

ہر ایک بات کا وقت ہے۔ بہار کا بھی وقت ہے اور برسات کا بھی وقت ہے اور کوئی نہیں جو خدا کے ارادے ٹال دے[1]۔

---

[1] الحکم جلد ۳ ۲۶ صفحہ ۵، ۷ پرچہ ۲۴ر جولائی ۱۸۹۹ء

بعض لوگ انگد کے جنم ساکھی کے اس بیان پر تعجب کریں گے کہ یہ چولہ آسمان سے نازل ہوا ہے اور خدا نے اس کو اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں پر نظر کر کے کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ اس کی قدرتوں کی کسی نے حد بست نہیں کی کون انسان کہہ سکتا ہے کہ خدا کی قدرتیں صرف اتنی ہی ہیں اس سے آگے نہیں۔ ایسے کمزور اور تاریک ایمان تو اُن لوگوں کے ہیں جو آج کل نیچری یا برہمو کے نام سے موسوم ہیں اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ باوا صاحب کو یہ قرآنی آیات الہامی طور پر معلوم ہو گئے ہوں اور اذن ربی سے لکھے گئے ہوں۔ لہٰذا بموجب آیت ما رمیت اذ رمیت ولٰکن اللّٰہ رمٰی[1] وہ سب فعل خدا تعالیٰ کا فعل سمجھا گیا ہو۔ کیونکہ قرآن آسمان سے نازل ہوا ہے اور ہر یک ربانی الہام آسمان سے ہی نازل ہوتا ہے دین اسلام درحقیقت سچا ہے اور اس کی تائید میں خدا تعالیٰ بڑے بڑے عجائبات دکھلاتا ہے اگرچہ اُس غیب الغیب کا وجود اس آگ سے بھی زیادہ مخفی ہے جو پتھروں اور ہر یک جسم میں پوشیدہ ہے مگر تاہم کبھی کبھی اس وجود کی دنیا پر چمکار پڑتی رہتی ہے ہر یک چیز میں عنصری آگ ہوتی ہے۔ مگر دلوں میں خدا تعالیٰ نے اپنی ذات کی شناخت کی ایک آگ رکھی ہے۔ جب کبھی بے انتہا دردمندی کی چقماق سے وہ آگ بھڑک اُٹھتی ہے تو دل کی آنکھوں سے وہ غیر مرئی ذات نظر آجاتی ہے اور نہ صرف یہی بلکہ جو لوگ اُس کو سچے دل سے ڈھونڈھتے ہیں اور جو رُوحیں ایک نہایت درجہ کی پیاس کے ساتھ اُس کے آستانہ کی طرف دوڑتے ہیں۔ اُن کو وہ پانی بقدر طلب ضرور پلایا جاتا ہے جس نے اپنے قیاسی آنکھوں سے خدا تعالیٰ کو پہچانا اُس نے کیا پہچانا۔ درحقیقت پہچاننے والے وہی ہیں جن پر خدا تعالیٰ نے آپ ارادہ کر کے اپنا چہرہ ظاہر کر دیا ہے۔

[1] الانفال: ۱۸

ام ...

۴۷ ہماری مقصد معجزہ سے حق اور باطل یا صادق اور کاذب میں ایک امتیاز دکھلانا ہے اور ایسے امتیازی امر کا نام معجزہ یا دوسرے لفظوں میں نشان ہے۔ نشان ایک ایسا ضروری امر ہے کہ اُس کے بغیر خدا تعالیٰ کے وجود پر بھی پورا یقین کرنا ممکن نہیں اور نہ وہ ثمرہ حاصل ہونا ممکن ہے کہ جو پورے یقین سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مذہب کی اصلی سچائی خدا تعالیٰ کی ہستی کی شناخت سے وابستہ ہے سچے مذہب کے ضروری اور اہم لوازم میں سے یہ امر ہے کہ اُس میں ایسے نشان پائے جائیں جو خدائے تعالیٰ کی ہستی پر قطعی اور یقینی دلالت کریں۔ اور وہ مذہب اپنے اندر ایسی زبردست طاقت رکھتا ہو جو اپنے پیرو کا خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے ہاتھ ملادے۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ صرف مصنوعات پر نظر کر کے صانع کی نسبت ضرورت ہی محسوس کرنا اور اُس کی واقعی ہستی پر اطلاع نہ پانا یہ کامل خداشناسی کیلئے کافی نہیں ہے اور ایسی حد تک ٹھہرنے والے کوئی سچا تعلق خدائے تعالیٰ سے حاصل نہیں کر سکتے اور نہ اپنے نفس کو جذبات نفسانیہ سے پاک کر سکتے ہیں۔ اس سے اگر کچھ سمجھا جاتا ہے تو صرف اسقدر کہ اس ترکیب محکم اور ابلغ کا کوئی صانع ہونا چاہیئے نہ یہ کہ درحقیقت وہ صانع ہے بھی۔ اور ظاہر ہے کہ صرف ضرورت کو محسوس کرنا ایک قیاس ہے جو رؤیت کا قائم مقام نہیں ہو سکتا اور نہ رؤیت کے پاک نتائج اس سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ پس جو مذہب انسان کی خداشناسی کو صرف ہونا چاہیئے کے ناقص مرحلہ تک چھوڑتا ہے وہ اس کی عملی حالت کا چارہ گر نہیں ہے۔ پس درحقیقت ایسا مذہب ایک مُردہ مذہب ہے جس سے کسی پاک تبدیلی کی توقع رکھنا ایک طمع خام ہے۔ +

نصرۃ الحق صفحہ 47

پھر ایک اور جگہ قرآن شریف
میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ط قَالُوْا بَلٰی۔[1] یعنی میں نے رُوحوں کو پوچھا کہ کیا میں تمہارا پیدا کرنیوالا نہیں تو تمام رُوحوں نے یہی جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ رُوحوں کی فطرت میں یہی منقش اور مرکوز ہے کہ وہ اپنے پیدا کنندہ کی قائل ہیں اور پھر بعض انسان غفلت کی تاریکی میں پڑ کر اور پلید تعلیموں سے متاثر ہوکر کوئی دہریہ بن جاتا ہے اور کوئی آریہ اور اپنی فطرت کے مخالف اپنے پیدا کنندہ سے انکار کرنے لگتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے باپ اور ماں کی محبت رکھتا ہے یہاں تک کہ بعض بچے ماں کے مرنے کے بعد مرجاتے ہیں پھر اگر انسانی رُوحیں خدا کے ہاتھ سے نہیں نکلیں اور اس کی پیدا کردہ نہیں تو خدا کی محبت کا نمک کس نے اُن کی فطرت پر چھڑک دیا ہے اور کیوں انسان جب اُس کی آنکھ کھلتی ہے اور پردۂ غفلت دُور ہوتا ہے تو دل اُس کا خدا کی طرف کھینچا جاتا ہے اور محبت الٰہی کا دریا اس کے صحن سینہ میں بہنے لگتا ہے آخر اُن رُوحوں کا خدا سے کوئی رشتہ تو ہوتا ہے جو اُن کو محبت الٰہی میں دیوانہ کی طرح بنا دیتا ہے وہ خدا کی محبت میں ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ تمام چیزیں اس کی راہ میں قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں سچ تو یہ ہے کہ وہ عجیب تعلق ہے ایسا تعلق نہ ماں کا ہوتا ہے نہ باپ کا۔ پس اگر بقول آریوں کے رُوحیں خود بخود ہیں تو یہ تعلق کیوں پیدا ہو گیا اور کس نے یہ محبت اور عشق کی قوتیں خدا تعالےٰ کے ساتھ رُوحوں میں رکھ دیں یہ مقام سوچنے کا مقام ہے اور یہی مقام ایک سچی معرفت کی کُنجی ہے +

م ۱۵۹

[1] الاعراف: ۱۷۳

یہ عادت اللہ ہے کہ جس طرح سے وہ جسمانی سلسلے کی پرورش اور تربیت کرتا ہے اور گذشتہ پرورش کافی نہیں ہوتی اسی طرح سے رُوحانی سلسلہ کا حال ہے اور رُوحانی جسمانی دونو سلسلے پہلو بہ پہلو چلتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خدا سے ہی منکر ہو تو اس بحث کا الگ ایک طریق ہے۔ خدا تعالیٰ کے قائل کو چاہیئے کہ دونوں سلسلوں کو بالمقابل رکھ کر ایک ہی نظر سے دیکھ کر فائدہ اُٹھائے۔ جس نے جسمانی سلسلہ پیدا کیا ہے اسی نے رُوحانی سلسلہ بھی پیدا کیا ہے جس طرح وہ جسمانی سلسلہ کی تازہ بتازہ پرورش کرتا ہے اسی طرح وہ رُوحانی سلسلہ کی بھی تازہ بتازہ پرورش کرتا ہے۔ جس طرح جسمانی حالت ایک تازہ پانی کی محتاج ہے اسی طرح رُوحانی حالت بھی تازہ آسمانی وحی کی محتاج ہے۔ جس طرح جسم بغیر پرورش کے

مرجاتا ہے اسی طرح رُوح بھی بغیر پرورش کے مُردہ ہو جاتی ہے۔ رُوحانی امور میں اگر ہمیشہ گذشتہ ہی گذشتہ کا حوالہ دیا جاوے تو بجُز اس کے رُوحانی حالت ایک مردہ حالت ہو جاوے گی اور کیا ہو سکتا ہے؟

خدا تعالیٰ ہمیشہ طبعاً چاہتا ہے کہ وہ پہچانا جاوے۔ وہ اپنی شناخت اور زندگی کے ثبوت میں ہمیشہ حقائق، معارف اور تازہ بتازہ نشان دکھایا کرتا ہے اور یہ امور کوئی عقلی استبعاد بھی نہیں رکھتے۔ یہی سلسلہ ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ ہزاروں لاکھوں انبیاء آئے۔ انہوں نے عملی طور سے ثبوت دیئے۔ دُنیا پر حجت پوری کی۔ اب کوئی شخص صرف یہ کہہ کر کہ میں سائنس دان یا فلاسفر ہوں ایک ایسی متواتر اور ثابت شدہ شہادت کو کیسے توڑ سکتا ہے۔ چاہیئے کہ جس طرح سے اس گروہ پاک نے عملی زندگی اور نمونے سے اپنے دعویٰ کا ثبوت دیا اسی طرح سے اس کا رد بھی کیا جاتا۔ ہاں البتہ ان لوگوں کو یہ کہنے کا حق پہنچتا تھا کہ پُرانے قصّے کہانیاں کیوں پیش کی جاتی ہیں کوئی زندہ نمونہ یا ثبوت پیش کیا جاوے۔ سو اس کے واسطے ہم تیار ہیں۔ صرف ہیئت دان اپنی ہیئت وغیرہ یا نظام شمسی میں غور کرنے سے خدا تعالیٰ کے وجود کا یقینی ثبوت بہم نہیں پہنچا سکتا۔ البتہ ایک امکان پیدا ہو سکتا ہے کہ خدا ہونا چاہیئے۔ یہ بات کہ خدا ہے اور یقیناً ہے ہمیشہ انبیاء کے پیش کردہ اصول سے ہی ثابت ہوتا رہا ہے۔ اگر ہماری طرح کے انسان دُنیا میں نہ آتے تو خدا کے ثبوت کا کوئی حقیقی اور کامل ذریعہ ہرگز ہرگز دُنیا میں نہ ہوتا۔

بدر 24 مئی 1908ء

کھینچ لاتا ہے اور اُس کی تعلیم اُن کے دلوں میں بٹھا دیتا ہے۔ اور رُوح القدس سے اُنکی مدد کرتا ہے۔ وہ اُس کے دشمنوں کا دشمن اور اس کے دوستوں کا دوست ہو جاتا ہے اور اُس کے دشمن سے وہ آپ لڑتا ہے۔ اسی لئے مَیں نے کہا ہے کہ راستباز کی معجزانہ زندگی آسمان و زمین سے زیادہ خدائے تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتی ہے کیونکہ لوگوں نے زمین و آسمان کو بچشم خود خدا کے ہاتھ سے بنتے نہیں دیکھا لیکن وہ بچشم خود دیکھ لیتے ہیں کہ خدا راستباز کے اقبال کی عمارت کو اپنے ہاتھ سے بناتا ہے۔ وہ ایک زمانہ دراز پہلے خبر دے دیتا ہے کہ مَیں ایسا کروں گا اور ایسا اس کو بنادونگا۔ اور پھر باوجود سخت روکوں اور شدید مزاحمتوں کے جو شریر انسانوں کی طرف سے ہوتی ہیں ایسا ہی کرکے دکھلا دیتا ہے۔

پس یہ نشان حق کے طالب کو حق الیقین تک پہنچاتا ہے اور وہ خدائے تعالیٰ کے وجود پر ایک قطعی دلیل ہوتی ہے۔ مگر اُن کے لئے جو خدائے تعالیٰ کے طالب ہیں اور تکبر نہیں کرتے اور حق کو پاکر انکسار سے قبول کر لیتے ہیں۔ اس زمانہ میں بھی خدا نے ایسے نشان بہت جمع کئے ہیں کاش لوگ اُن میں غور کرتے اور اپنے تئیں یقین اور معرفت کے چراغ سے روشن کرکے نجات کے لائق ٹھہرا دیتے۔ لیکن شریر انسان کو خدا کے نشانوں سے ہدایت حاصل کرنا نصیب نہیں۔ وہ روشنی کو دیکھ کر آنکھ بند کر لیتا ہے تا ایسا نہ ہو کہ روشنی اُس کی آنکھوں کو منور کرے اور راہ دکھائی دے۔ شریر آدمی ہزار نشان دیکھ کر اس سے مُنہ پھیر لیتا ہے اور ایک بات جس کو اپنی ہی حماقت سے سمجھ نہیں سکا بار بار پیش کرتا ہے۔ وہ شخص جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اُس پر یہ فرض نہیں ہے کہ ایسے نشان دکھائے جن سے ستارے زمین پر گریں یا آفتاب مغرب سے طلوع کرے یا بکری کو انسان بنا کر دکھا دے یا لوگوں کے روبرو آسمان پر چڑھ جائے اور ان کے روبرو ہی اُترے اور آسمان سے ایک لکھی ہوئی کتاب لائے جس کو لوگ خود ہاتھوں میں لے کر پڑھ لیں یا اس کے تمام مکانات سونے کے بن جائیں۔ ص۳۱

یہ عادتِ الٰہی ہے کہ راستبازوں کی معجزانہ زندگی ہوتی ہے اور خدا کی نصرت اُن کے شاملِ حال رہتی ہے اور ایسے طور سے شاملِ حال ہوتی ہے کہ وہ سراسر معجزہ ہوتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک راستباز کی معجزانہ زندگی زمین اور آسمان سے زیادہ تر خدائے تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتی ہے کیونکہ کسی نے نہیں دیکھا کہ زمین اور آسمان کو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا صرف اس عالم کی پُرحکمت صنعت کو دیکھ کر اور اس کی ترکیب کو ابلغ اور محکم پاکر عقل سلیم اس بات کی ضرورت سمجھتی ہے کہ ان بے مثل مصنوعات کا کوئی صانع ہونا چاہیئے مگر عقل اپنی معرفت میں اس حد تک نہیں پہنچتی کہ فی الواقعہ وہ صانع موجود بھی ہے کیونکہ اُس نے اس صانع کو بناتے نہیں دیکھا۔ اور عقلی خداشناسی کا تمام مدار صرف ضرورتِ صانع پر رکھا گیا ہے نہ یہ کہ اس کا ہونا مشاہدہ کیا گیا ہے۔ لیکن راستباز کی معجزانہ زندگی واقعی طور پر اور مشاہدہ کے پیرایہ میں خدائے تعالیٰ کی ہستی کو دکھلاتی ہے کیونکہ راستباز اپنی سب ابتدائی حالت میں ایک ذرّہ بے مقدار کی طرح ہوتا ہے یا ایک رائی کے بیج کی طرح جس کو ایک کسان نے بویا۔ اور نہایت ذلیل حالت میں پڑا ہُوا ہوتا ہے۔ تب وحی کے ذریعہ سے خدا دنیا کو اطلاع دیتا ہے کہ دیکھو مَیں اس کو بناؤں گا۔ مَیں ستاروں کی طرح اس میں چمک ڈالوں گا اور آسمان کی طرح اس کو بلند کروں گا۔ اور ایک ذرّہ کو ایک پہاڑ کی طرح کر دکھلاؤنگا پھر بعد اس کے باوجود اس بات کے کہ دنیا کے تمام شریر چاہتے ہیں کہ وہ ارادہ الٰہی معرضِ التوا میں رہے۔ اور ناخنوں تک زور لگاتے ہیں کہ وہ امر ہونے نہ پائے مگر وہ رُک نہیں سکتا جب تک پورا نہ ہو۔ اور خدا کا ہاتھ سب روکوں کو دُور کرکے اُس کو پورا کرتا ہے۔ وہ ایک گمنام کو اپنی پیشگوئی کے مطابق ایک عظیم الشان جماعت بنا دیتا ہے۔ وہ تمام مستعد لوگوں کو اس کی طرف کھینچتا ہے۔ وہ اُس گمنام کو ایسی شہرت دیتا ہے کہ کبھی اُس کے باپ دادوں کو نصیب نہ ہوئی۔ وہ ہر میدان میں اس کا ہاتھ پکڑتا ہے اور ہر ایک جنگ میں اس کو فتح دیتا ہے اور ایک دنیا کو اُس کا غلام کرتا ہے اور لاکھوں انسانوں کو اس کی طرف ص۳۰

پس خدا جو کریم و رحیم ہے اُس نے نہ چاہا کہ اس کے ایک مقبول مذہب یا ایک مقبول بندہ سے انکار کر کے دنیا ہلاک ہو جائے پس اُس نے سچے مذہب پر دائمی نشانوں کی مہر لگا دی اور سچے راستباز کو اپنے خارق عادت کاموں کے ساتھ قبولیت کا نشان عطا فرمایا۔ سچ تو یہ ہے کہ خدا نے مقبول مذہب اور مقبول بندہ کو امتیازی نشان عطا کرنے میں کوئی بھی کسر باقی نہیں رکھی۔ اور سورج سے زیادہ اُن کو چمکا کر دکھلا دیا۔ اور وہ کام اُن کی تائید میں دکھلائے کہ جن کی نظیر دنیا میں دیکھنے سننے میں نہیں آتی۔ خدا برحق ہے لیکن اُس کا چہرہ دیکھنے کا آئینہ وہ مُنعَم ہیں جن پر اُس کے عشق کی بارشیں ہوئیں جن کے ساتھ خدا ایسا ہمکلام ہوا کہ جیسے ایک دوست دوست سے۔ وہ غلبہ محبت سے دوئی کے نقش کو مٹا کر توحید کی کامل حقیقت تک پہنچے۔ کیونکہ توحید صرف یہی نہیں ہے کہ الگ رہ کر خدا کو ایک جاننا۔ اس توحید کا تو شیطان بھی قائل ہے بلکہ ساتھ اس کے یہ بھی ضروری ہے کہ عملی رنگ میں یعنی محبت کے کامل جوش سے اپنی ہستی کو محو کر کے خدا کی وحدت کو اپنے پر وارد کر لینا یہی

کامل توحید ہے جو مدارِ نجات ہے جس کو اہل اللہ پاتے ہیں۔ پس یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ خدا اُن میں اُترتا ہے۔ کیونکہ خلا اپنے تئیں بالطبع پُر کرنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ اُترنا جسمانی طور سے نہیں ہے بلکہ اس طور سے ہے جو کیف اور کم سے بلند تر ہے۔ غرض خدا کی خاص تجلّی سے حقیقی راستبازوں میں وہ برکتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو خدا میں ہیں اور اُن کی زندگی معجزانہ زندگی ہو جاتی ہے۔ وہ بدلائے جاتے ہیں۔ اور ان کا وجود ایک نیا وجود ہو جاتا ہے جس کو دنیا دیکھ نہیں سکتی۔ پر سعید لوگ اُس کے آثار کو دیکھتے ہیں۔ چونکہ اب وہ تجلّی موجود ہے اور ایسے آثار تائیدات الٰہیہ کے نمایاں ہیں جو ہم میں اور ہمارے غیروں میں مابہ الامتیاز ہیں اس لئے ہم چند ایسے نشان تحریر کر کے حق کے طالبوں کو خدائے تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں جو ماموریں کی نسبت سُنّت اللہ ہے اور شریر متعصبوں پر خدائے تعالیٰ کی حجت پوری کرتے ہیں۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْكَرِيْمِ الْقَدِيْر۔

سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ اللہ ہے مگر ایک ہے۔

اس دعویٰ کے بعد اس کی دلیل اَللّٰہُ الصَّمَدُ کہہ کر دی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کی دلیل یہ ہے کہ دنیا کی کوئی چیز اپنی ذات میں کامل نہیں بلکہ وہ دوسری اشیاء کی محتاج ہے۔ کامل ذات صرف اللہ کی ہے جو کسی کا محتاج نہیں۔

پس کائنات عالم کی یہ احتیاج اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایک زبردست ثبوت ہے اور یہ ثبوت اللہ کو الصمد کہہ کر دیا گیا ہے۔

اَللّٰہُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

یعنی اللہ ہر ایک چیز کا خالق ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذات و صفات میں واحد ہے اور واحد بھی ایسا کہ قہار ہے یعنی سب چیزوں کو اپنے ماتحت رکھتا ہے۔ اور ان پر غالب ہے۔

یہ دلیل بذریعہ شکلِ اوّل جو بدیہی الانتاج ہے۔ اس طرح پر قائم ہوتی ہے۔ کہ صغریٰ اس کا یہ ہے جو خدا واحد و قہار ہے اور کبریٰ یہ کہ ہر ایک جو واحد اور قہار ہو وہ تمام موجودات ماسوائے اپنے کا خالق ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تمام مخلوقات کا خالق ہے۔ اثبات قضیۂ اولیٰ یعنی صغریٰ کا اس طور سے ہے کہ واحد اور قہار ہونا خدا تعالیٰ کا اصول مسئلہ فریق ثانی بلکہ تمام دنیا کا اصول ہے اور اثبات قضیۂ ثانیہ یعنی مفہوم کبریٰ کا اس طرح پر ہے کہ اگر خدا تعالیٰ باوصف واحد اور قہار ہونے کے وجود ماسوائے اپنے کا خالق نہ ہو بلکہ وجود تمام موجودات کا مثل اس کے قدیم سے چلا آتا ہو۔ تو اسی صورت میں وہ واحد و قہار نہیں ہو سکتا کہ واحدانیت کے معنی سوائے اس کے کچھ نہیں کہ شرکت غیر سے بکلّی پاک ہو۔ اور جب خدا تعالیٰ خالق ارواح نہ ہو تو اس سے دو طرح کا شرک لازم آتا ہے۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ وہ سب حادث اور مخلوق ہیں۔ کوئی ان میں سے خدا اور واجب الوجود نہیں۔

لَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا

یعنی اس ملک پر کوئی اس کا شریک نہیں وہ سب کا خالق ہے۔

اور اس کے خالق ہونے پر یہ دلیل واضح ہے کہ ہر ایک چیز کو ایک اندازہ مقررہ پر پیدا کیا ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتی بلکہ اس اندازہ میں محدود و محصور ہے۔ اس دلیل کی شکل منطقی اس طرح پر ہے کہ ہر جسم اور روح اندازہ مقررہ میں محدود و محصور ہے اور ہر ایک وہ چیز کہ اندازہ مقررہ میں محدود و محصور ہو اس کا کوئی حاصر اور محدد ضرور ہوتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک جسم اور روح کے لئے حاصر و محدد ہے۔

اب اثبات قضیہ اولیٰ کا یعنی محدد القدر ہونے اشیاء کا اس طرح پر ہے کہ جمیع اجسام اور ارواح میں جو جو خاصیتیں پائی جاتی ہیں۔ عقل تجویز کر سکتی ہے۔ اُن خواص سے زیادہ خواص اُن میں پائے جاتے۔ مثلاً

انسان کی دو آنکھیں ہیں اور عند العقل ممکن تھا کہ اس کی چار آنکھیں ہوتیں دو منہ کی طرف اور دو پیچھے کی طرف تاکہ جیسا آگے کی چیزوں کو دیکھتا ہے ویسا ہی پیچھے کی چیزوں کو بھی دیکھ لیتا اور کچھ شک نہیں کہ چار آنکھوں کا ہونا بہ نسبت دو آنکھوں کے کمال میں زیادہ اور فائدہ میں دو چند ہے اور ممکن تھا کہ مثل اور پرندوں کے اس کے پر بھی ہوتے۔

عَلٰى هٰذَا الْقِيَاسِ ———— نفس ناطقہ

انسان بھی ایک خاص درجہ پر محدود ہے جیسا کہ وہ بغیر تعلیم کسی معلم کے خود بخود مجہولات کو دریافت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بعض حوادث و امراض کے نتیجہ میں اس کی

طاقتوں میں اور قوتوں میں تنزل واقع ہوتا ہے۔

شیخ بوعلی سینا کے قول کے مطابق عند ممکن تھا کہ ان سب آفات و عیوب سے بچا ہوا ہوتا۔

پس جن جن مراتب اور فضائل کو انسان اور اس کی روح کے لئے عقل تجویز کر سکتی ہے وہ کسی بات سے ان مراتب سے محروم ہے۔ آیا تجویز کسی اور مجوز سے یا خود اپنی رضامندی سے۔ اگر کہو کہ اپنی رضامندی سے تو یہ صریح غلط ہے کیونکہ کوئی شخص اپنے حق میں نقص روا نہیں رکھتا۔

اور اگر کہو کہ تجویز کسی اور مجوز سے ہے تو مبارک ہو کہ وجود خالق ارواح و اجسام کا ثابت ہو گیا۔

سورۃ الطور میں فرماتا ہے۔

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ أَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوقِنُونَ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ۔

یعنی کیا یہ لوگ جو خالقیت خدا تعالیٰ کے منکر ہیں بغیر پیدا کرنے کسی خالق کے یونہی پیدا ہو گئے یا اپنے وجود کو آپ ہی پیدا کر لیا یا خود علت العلل ہیں جنہوں نے زمین و آسمان پیدا کیا۔ یا ان کے پاس غیر متناہی خزانے علم و عقل کے ہیں جن سے انہوں نے معلوم کر لیا کہ ہم قدیم الوجود ہیں یا وہ آزاد ہیں اور کسی کے قبضۂ قدرت میں نہیں تا یہ گمان ہو کہ جب کہ ان پر کوئی غالب و قہار نہیں تو وہ (خدا) ان کا خالق کیسے ہوا؟

اس آیت شریف میں یہ استدلال لطیف ہے کہ ہر پنج شقوق، قدامت ارواح کو اس طرز مدلل سے بیان فرمایا ہے کہ ہر ایک شق کے بیان سے ابطال اس شق کا فی الفور

سمجھا جاتا ہے اور تفصیل ان اشارات لطیفہ کی یوں ہے کہ شق اول یعنی ایک شے
معدوم کا بغیر فعل کسی فاعل کے خود بخود پیدا ہو جانا اس طرح پر باطل ہے کہ اس سے
ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے کیونکہ عدم سے وجود کا لباس پہننا ایک مؤثر مرجح
کو چاہتا ہے جو جانب وجود کو جانب عدم پہ ترجیح دے لیکن اس جگہ کوئی مؤثر
موجود نہیں اور بغیر وجود مرجح کے خود بخود ترجیح پیدا ہونا محال ہے۔

اور شق دوم یعنی اپنے وجود کا آپ ہی خالق ہونا اس طرح پہ باطل ہے کہ اس سے
تقدم شے کا اپنے نفس پہ لازم آتا ہے۔

کیونکہ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ ہر ایک شے کے وجود کی علت موجبہ اس شے کا نفس
ہے تو بالضرورت یہ اقرار اس اقرار کو مستلزم ہو گا کہ وہ سب اشیاء اپنے اپنے وجود سے
پہلے موجود تھیں اور وجود سے پہلے موجود ہونا محال ہے۔

اور شق چہارم یعنی محیط ہونا نفس انسان کا علوم غیر متناہی پر اس دلیل سے محال ہے
کہ نفس انسانی باعتبار تعین تشخص خارجی کے متناہی ہے اور متناہی میں غیر متناہی کا
سما نہیں ہو سکتا اس سے تحدید (حد بندی) غیر محدود کی لازم آتی ہے۔

اور شق پنجم یعنی خود مختار ہونا اور کسی کے حکم کے ماتحت نہ ہونا ممتنع الوجود ہے۔
کیونکہ نفس انسان کا بالضرورت استکمال ذات اپنی کے ایک مکمل کا محتاج ہے اور محتاج
کا خود مختار ہونا محال ہے اس سے اجتماع نقیضین لازم آتا ہے۔ پس جب کہ بغیر ذریعہ خالق
کے موجود ہونا موجودات کا بہر صورت ممتنع اور محال ہوا تو بالضرورت یہی ماننا پڑا کہ
تمام اشیا موجودہ، محدودہ کا ایک خالق ہے ... جو ذات باری تعالیٰ ہے۔

باب دوم

صفات باری تعالیٰ

حصہ اول

حمدیہ / عارفانہ منظوم کلام (عربی)

حصہ دوم

صفات باری تعالیٰ

ATTRIBUTES OF ALLAH

حصہ اول

حمدیہ/عارفانہ منظوم کلام (عربی)

اَلْقَصَائِدُ الْاَحْمَدِیَّۃُ

کلام

حضرت مرزا غلام احمد القادیانی

المسیح الموعود ۔ المہدی المعہود

علیہ السلام

وَجِئْنَاکَ کَالْمَوْتٰی فَاَحْيِ اُمُوْرَنَا   وَنَسْتَغْفِرَنَّکَ مُسْتَغِیْثِیْنَ فَاغْفِرِ

ہم تیرے پاس مُردوں کی طرح آئے ہیں پس ہمارے معاملات کو زندگی بخش۔ ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں مدد کی درخواست کرتے ہوئے۔ پس معاف فرما

اِلٰی اَیِّ بَابٍ یَا اِلٰھِیْ تَرُدُّنِیْ   اَتَتْرُکُنِیْ فِیْ کَفِّ خَصْمٍ مُخَسِّرِ

کس دروازے کی طرف اے میرے معبود! تو مجھے دھکیلے گا؟ کیا تو مجھے نقصان رساں دشمن کے ہاتھوں میں چھوڑ دے گا؟

اِلٰھِیْ فَدَتْکَ النَّفْسُ اَنْتَ مَقَاصِدِیْ   تَعَالَ بِفَضْلٍ مِّنْ لَّدُنْکَ وَبَشِّرِ

اے میرے معبود! میری جان تجھ پر فدا ہو۔ تو ہی تو میرا مقصود ہے۔ اپنے فضل کے ساتھ آ اور مجھے خوشخبری دے

أَأَعْرَضْتَ عَنِّیْ لَا تُکَلِّمُ رَحْمَةً   وَقَدْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِ الْمَصَائِبِ مُخْبِرِیْ

کیا تو نے مجھ سے منہ پھیر لیا ہے (جو) تو شفقت کے ساتھ مجھ سے کلام نہیں فرماتا۔ تُو تو ان مصائب سے پہلے میرا مخبر تھا

وَکَیْفَ اَظُنُّ زَوَالَ حُبِّکَ طَرْفَةً   وَیَأْطِرُ قَلْبِیْ حُبُّکَ الْمُتَکَثِّرِ

اور میں تیری محبت کے زوال کا ایک لحظہ کے لئے بھی کیسے گمان کر سکتا ہوں جب کہ تیری بہت بڑی محبت میرے دل کو (تیری طرف) جھکا رہی ہے

وَجَدْتُّ السَّعَادَةَ کُلَّھَا فِیْ اِطَاعَةٍ   فَوَفِّقْ لِاٰخَرَ مِنْ خُلُوْصٍ وَّ یَسِّرِ

اے خدا! میں نے ساری کی ساری خوش بختی اطاعت میں پائی ہے۔ پس دوسروں کو بھی خلوص کی توفیق دے اور آسانی پیدا کر۔

اِلٰھِیْ بِوَجْھِکَ اَدْرِکِ الْعَبْدَ رَحْمَةً   تَعَالَ اِلٰی عَبْدٍ ذَلِیْلٍ مُّکَفَّرِ

اے میرے خدا! اپنی ذات کے طفیل اس بندے کی رحم کے ساتھ دستگیری فرما اور (اپنے) کمزور اور عاجز بندے کی طرف جو تکفیر کیا گیا ہے' آ جا

وَمِنْ قَبْلِ ھٰذَا کُنْتَ تَسْمَعُ دَعْوَتِیْ   وَقَدْ کُنْتَ فِی الْمِضْمَارِ تُرْسِیْ وَ مَأْزَرِیْ

اور اس سے پہلے تو میری دعائیں سنتا رہا ہے اور تو میدان میں میری ڈھال اور پناہ بنا رہا ہے

اِلٰھِیْ اَغِثْنِیْ یَا اِلٰھِیْ اَمِدَّنِیْ   وَبَشِّرْ بِمَقْصُوْدِیْ حَنَانًا وَّ خَبِّرِ

اے میرے خدا! میری فریاد رسی کر۔ اے میرے خدا! میری مدد کر اور مہربانی سے میرے مقصود کی بشارت دے اور آگاہ کر

اَنِرْنِیْ بِنُوْرِکَ یَا مَلَاذِیْ وَ مَلْجَأِیْ   نَعُوْذُ بِوَجْھِکَ مِنْ ظَلَامٍ مُّدَعْثِرِ

مجھے اپنے نور سے منور کر دے۔ اے میرے ملجا و ماوٰی! ہم تیری ذات کی پناہ لیتے ہیں چھا جانے والی تاریکی سے

(۳۳)

اَلْقَصِیْدَةُ فِیْ حَمْدِ حَضْرَةِ الْعِزَّةِ وَنَعْتِ خَیْرِ الْبَرِیَّةِ

قصیدہ

جنابِ باری کے حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں

(یہ قصیدہ بروز دوشنبہ ۱۵؍جولائی ۱۸۹۵ء قریباً آٹھ بجے دن شروع کیا گیا اور اسی دن بوقت عصر پانچ بجے سے پہلے سو شعر تیار ہو گیا۔ فَذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ وَ تَائِیْدُہُ الْخَارِقُ لِلْعَادَةِ۔ منہ)

یَا مَنْ اَحَاطَ الْخَلْقَ بِالْاٰلَاءِ   نُثْنِیْ عَلَیْکَ وَلَیْسَ حَوْلُ ثَنَاءِ

اے وہ ذات جس نے (اپنی) نعمتوں سے مخلوق کا احاطہ کیا ہوا ہے ہم تیری تعریف کرتے ہیں اور تعریف کی طاقت نہیں ہے

اُنْظُرْ اِلَیَّ بِرَحْمَةٍ وَّعُطُوْفَةٍ   یَا مَلْجَأِیْ یَا کَاشِفَ الْغَمَّاءِ

مجھ پر رحمت اور شفقت کی نظر کر' اے میری پناہ! اَے حزن و کرب کو دور فرمانے والے!

اَنْتَ الْمَلَاذُ وَاَنْتَ کَھْفُ نُفُوْسِنَا   فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا وَ بَعْدَ فَنَاءِ

تو ہی جائے پناہ ہے اور تو ہی ہماری جانوں کی پناہ گاہ ہے اس دنیا میں بھی اور فنا کے بعد بھی۔

اِنَّا رَاَیْنَا فِی الظَّلَامِ مُصِیْبَةً   فَارْحَمْ وَاَنْزِلْنَا بِدَارِ ضِیَاءِ

ہم نے تاریکی کے زمانہ میں مصیبت دیکھی ہے۔ تو رحم فرما اور ہمیں نور کے گھر میں اتار دے۔

تَعْفُوْا عَنِ الذَّنْبِ الْعَظِیْمِ بِتَوْبَةٍ   تُنْجِیْ رِقَابَ النَّاسِ مِنْ اَعْبَاءِ

تو توبہ سے بڑے گناہوں کو (بھی) معاف فرما دیتا ہے۔ تو (ہی) لوگوں کی گردنوں کو بھاری بوجھوں سے نجات دیتا ہے۔

اَنْتَ الْمُرَادُ وَاَنْتَ مَطْلَبُ مُھْجَتِیْ   وَعَلَیْکَ کُلُّ تَوَکُّلِیْ وَرَجَائِیْ

تو ہی مراد ہے اور تو ہی میری روح کا مطلوب ہے اور تجھ پر ہی میرا سارا بھروسہ اور امید ہے۔

مَلَکُوْتُہٗ تَبْقٰی بِقُوَّۃِ ذَاتِہٖ　　وَلَہُ التَّقَدُّسُ وَالْعُلٰی بِغَنَاءِ

اس کی ملکوت اس کی ذات کی قوت سے قائم ہے اور اسی کو غنا کے ساتھ تقدس اور برتری حاصل ہے۔

غَلَبَتْ عَلٰی قَلْبِیْ مَحَبَّۃُ وَجْہِہٖ　　حَتّٰی رَمَیْتُ النَّفْسَ بِالْاِلْغَاءِ

میرے دل پر اس کے چہرے کی محبت غالب آ گئی یہاں تک کہ میں نے اپنے نفس کو اور اس کی خواہشات کو باطل اور کالعدم بنا کر پھینک دیا۔

وَأَرَی الْوِدَادَ أَنَارَ بَاطِنَ بَاطِنِیْ　　وَأَرَی التَّعَشُّقَ لَاحَ فِیْ سِیْمَائِیْ

میں دیکھتا ہوں کہ محبت نے میرے باطن کے باطن کو منور کر دیا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ عشق میرے چہرے پر ظاہر ہو گیا ہے۔

مَابَقِیَ فِیْ قَلْبِیْ سِوَاہُ تَصَوُّرٌ　　غَمَرَتْ اَیَادِی اللّٰہِ وَجْہَ رَجَائِیْ

میرے دل میں اس کے سوا کوئی تصور باقی نہیں رہا۔ خدا تعالیٰ کے احسانات نے میری خواہشوں کے منہ کو ڈھانپ لیا ہے۔

ھَوْجَاءُ اُلْفَتِہٖ اَثَارَتْ حُرَّتِیْ　　فَفِدَا جَنَانِیْ صَوْلَۃَ الْھَوْجَاءِ

اس کی الفت کی تیز ہواؤں نے میری خاک اڑا دی پس میرا دل ان ہواؤں کی شدت پر قربان ہو گیا۔

أُبْرِیْ الْھُمُوْمَ بِمَشْرَفِیَّۃِ فَضْلِہٖ　　وَاللّٰہُ کَافٍ لِیْ وَنِعْمَ الرَّاعِیْ

میں غموں کا علاج اس کے فضل کی تلواروں سے کرتا ہوں اور اللہ ہی میرے لئے کافی ہے اور کیا خوب نگہبان ہے۔

مَاشَمَّ اَنْفِیْ مَرْغَمًا فِیْ مَشْھَدٍ　　وَأَثَرْتُ نَقْعَ الْمَوْتِ فِی الْاَعْدَاءِ

میرے ناک نے کسی مقام پر بھی ذلت کی بو نہیں سونگھی اور میں نے دشمنوں میں موت کا غبار اڑا دیا ہے۔

یَا رَبِّ اٰمَنَّا بِاَنَّکَ وَاحِدٌ　　رَبُّ السَّمَاءِ وَخَالِقُ الْغَبْرَاءِ

اے میرے ربّ! ہم ایمان لائے کہ تو واحد ہے۔ آسمان کا پروردگار اور (خاکستری) زمین کا خالق۔

اٰمَنْتُ بِالْکُتُبِ الَّتِیْ أَنْزَلْتَھَا　　وَبِکُلِّ مَا أَخْبَرْتَ مِنْ أَنْبَاءِ

میں ان تمام کتابوں پر ایمان لایا جو تو نے نازل فرمائیں اور ان تمام پیشگوئیوں پر بھی جن کی تو نے خبر دی ہے۔

یَا مَلْجَأِیْ أَدْرِکْ فَإِنَّکَ مَوْئِلِیْ　　یَا کَھْفِیْ اِعْصِمْنِیْ مِنَ الشُّغَبَاءِ

اے میری پناہ! مجھے سنبھال کہ تُو ہی میری سپر ہے۔ اے مری جائے پناہ! مجھے (کمینوں کے) شور و شر سے بچا لے۔

تَاْتِیْکَ اٰیَاتِیْ فَتَعْرِفُ وَجْھَھَا　　فَاصْبِرْ وَلَا تَتْرُکْ طَرِیْقَ حَیَاءِ

تیرے پاس میرے نشان آئیں گے اور تو ان کو پہچان لے گا۔ پس صبر کر اور حیا کی راہ کو ترک نہ کر۔

إِنَّ الْمُقَرَّبَ لَا یُضَاعُ بِفِتْنَۃٍ　　وَالْاَجْرُ یُکْتَبُ عِنْدَ کُلِّ بَلَاءِ

مقرّب آزمائش سے ضائع نہیں کیا جاتا اور ہر بلا کے وقت اس کا اجر لکھا جاتا ہے۔

یَارَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا بِکَرَامَۃٍ　　یَامَنْ یَرٰی قَلْبِیْ وَلُبَّ لِحَائِیْ

اے ہمارے رب! تو ہمارے درمیان باعزت فیصلہ فرما۔ اے وہ ذات جو میرے دل کو اور میرے ظاہر کی اندرونی حقیقت کو دیکھ رہی ہے۔

یَامَنْ أَرٰی أَبْوَابَہٗ مَفْتُوْحَۃً　　لِلسَّائِلِیْنَ فَلَا تَرُدَّ دُعَائِیْ

اے وہ ذات! جس کے دروازے مَیں سائلوں کے لئے کھلے دیکھتا ہوں۔ میری دعا کو ردّ نہ فرما۔

(مِنَنُ الرَّحْمٰنِ۔ روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۱۶۹ تا ۱۷۳)

۴۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عِلْمِیْ مِنَ الرَّحْمٰنِ ذِی الْاٰلَاءِ　　بِاللّٰہِ حُزْتُ الْفَضْلَ لَا بِدَھَاءِ

میرا علم خدائے رحمان کی طرف سے ہے جو نعمتوں والا ہے۔ میں نے خدا کے ذریعہ فضلِ الٰہی کو حاصل کیا ہے نہ کہ عقل کے ذریعہ۔

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی مَدَارِجِ شُکْرِہٖ　　نُثْنِیْ عَلَیْہِ وَلَیْسَ حَوْلُ ثَنَاءِ

ہم اس کے شکر کی منزلوں تک کیسے پہنچ سکتے ہیں کہ ہم اس کی ثنا کرتے ہیں اور ثنا کی طاقت نہیں۔

اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَکَافِلُ اَمْرِنَا　　فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا وَبَعْدَ فَنَاءِ

خدا ہمارا مولیٰ ہے اور ہمارے کام کا متکفل ہے اس دنیا میں بھی اور فنا کے بعد بھی۔

غَلَبَتْ عَلٰی نَفْسِیْ مَحَبَّةُ وَجْهِهِ ۔ حَتّٰی رَمَیْتُ النَّفْسَ بِالْاَلَمِ

میرے نفس پر اس کی ذات کی محبت غالب ہوئی یہاں تک کہ میں نے نفس کو بیکار کر کے نکال پھینکا۔

لَمَّا رَاَیْتُ النَّفْسَ سَدَّتْ مُهْجَتِیْ ۔ اَلْقَیْتُهَا کَالْمَیْتِ فِی الْبَیْدَاءِ

اور جب میں نے دیکھا کہ نفس میری روح کی راہ میں روک ہے تو میں نے اسے اس طرح پھینک دیا جیسے کہ مردار بیابان میں (پڑا ہو)

اَللّٰهُ کَهْفُ الْاَرْضِ وَالْخَضْرَاءِ ۔ رَبٌّ رَّحِیْمٌ مَّلْجَاُ الْاَشْیَاءِ

اللہ ہی پناہ ہے زمین اور آسمان کی۔ وہ ربّ رحیم ہے اور سب چیزوں کی جائے پناہ۔

بَرٌّ عَطُوْفٌ مَاْمَنُ الْغُرَمَاءِ ۔ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّ تَبَرُّعٍ وَّ عَطَاءِ

وہ حسنِ سلوک کرنے والا مہربان، مصیبت زدوں کے لئے جائے امن ہے۔ وہ رحمت، احسان اور بخشش والا ہے۔

اَحَدٌ قَدِیْمٌ قَائِمٌ بِوُجُوْدِهِ ۔ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَا الشُّرَکَاءِ

وہ یگانہ، قدیم اور بغیر سہارے کے بخود قائم دائم ہے۔ نہ اس نے کوئی بیٹا بنایا ہے اور نہ ہی (اپنے) شریک۔

وَلَهُ التَّفَرُّدُ فِی الْمَحَامِدِ کُلِّهَا ۔ وَلَهُ عَلَاءٌ فَوْقَ کُلِّ عَلَاءِ

اور اسے تمام صفات میں یگانگت حاصل ہے اور اسے ہر بلندی سے بڑھ کر بلندی حاصل ہے۔

اَلْعَاقِلُوْنَ بِعَالَمِیْنَ یَرَوْنَهُ ۔ وَالْعَارِفُوْنَ بِهِ رَاَوُا الْاَشْیَاءِ

عقلمند لوگ تو کائنات کے ذریعہ اسے دیکھتے ہیں اور عارفوں نے اس کے ذریعہ اشیاء کو دیکھا ہے۔

هٰذَا هُوَ الْمَعْبُوْدُ حَقًّا لِّلْوَرٰی ۔ فَرْدٌ وَّحِیْدٌ مَّبْدَءُ الْاَضْوَاءِ

یہی مخلوقات کے لئے معبودِ برحق ہے، وہ ایک یگانہ و یکتا ہے اور سب روشنیوں کا مبدأ ہے۔

هٰذَا هُوَ الْحِبُّ الَّذِیْ اٰثَرْتُهُ ۔ رَبُّ الْوَرٰی عَیْنُ الْهُدٰی مَوْلَائِیْ

یہی وہ محبوب ہے جسے میں نے (سب پر) ترجیح دی ہے۔ مخلوقات کا ربّ، سرچشمۂ ہدایت اور میرا مولا ہے۔

هَاجَتْ غَمَامَةُ حُبِّهِ فَکَاَنَّهَا ۔ رَکْبٌ عَلٰی عُسْبُوْرَةِ الْحَدْوَاءِ

اس کی محبت کا بادل اٹھا پس گویا وہ بادل بادِ شمالی کی تیز رو اونٹنی پر سواروں کی طرح ہے۔

نَدْعُوْهُ فِیْ وَقْتِ الْکُرُوْبِ تَضَرُّعًا ۔ نَرْضٰی بِهِ فِیْ شِدَّةٍ وَّ رَخَاءِ

بے قراری کے وقت ہم اسے عاجزی سے پکارتے ہیں اور سختی اور نرمی میں اسی پر خوش ہیں۔

هَوْجَاءُ اُلْفَتِهِ اَثَارَتْ جُرْبَتِیْ ۔ فَفَدٰی جَنَانِیْ صَوْلَةَ الْهَوْجَاءِ

اس کی الفت کے بگولے نے میری خاک اڑا دی۔ پس میرا دل اس بگولے پر فدا ہو گیا۔

اَعْطٰی فَمَا بَقِیَتْ اَمَانِیْ بَعْدَهُ ۔ غَمَرَتْ اَیَادِی الْفَیْضِ وَجْهَ رَجَائِیْ

اس نے مجھے اتنا دیا کہ اس کے بعد کوئی آرزو باقی نہ رہی۔ اس کے فیض کے احسانات (کی کثرت) میری امید کی انتہائی بلندی پر بھی چھا گئی۔

اِنَّا غُمِسْنَا مِنْ عِنَایَةِ رَبِّنَا ۔ فِی النُّوْرِ بَعْدَ تَمَزُّقِ الْاَهْوَاءِ

ہوا و ہوس کے پارہ پارہ ہو جانے کے بعد ہم اپنے ربّ کی عنایت سے نور میں غوطہ زن کئے گئے ہیں۔

اِنَّ الْمَحَبَّةَ خُمِّرَتْ فِیْ مُهْجَتِیْ ۔ وَاَرَی الْوِدَادَ یَلُوْحُ فِیْ اَهْبَائِیْ

یقیناً محبت میری روح میں خمیر کر دی گئی ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ محبت میرے تمام ذرّاتِ وجود میں چمک رہی ہے۔

اِنِّیْ شَرِبْتُ کُئُوْسَ مَوْتٍ لِّلْهُدٰی ۔ فَوَجَدْتُ بَعْدَ الْمَوْتِ عَیْنَ بَقَاءِ

میں نے ہدایت کی خاطر موت کے پیالے پیئے۔ پس موت کے بعد میں نے بقا کا پا لیا۔

اِنِّیْ اُذِبْتُ مِنَ الْوِدَادِ وَ نَارِهِ ۔ فَاَرَی الْغُرُوْبَ تَسِیْلُ مِنْ اِهْرَائِیْ

میں محبت اور اس کی آگ سے پگھلایا گیا ہوں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے آنسو گداز ہو جانے کی وجہ سے رواں ہیں۔

اَلدَّمْعُ یَجْرِیْ کَالسُّیُوْلِ صَبَابَةً ۔ وَالْقَلْبُ یُشْوٰی مِنْ خَیَالِ لِقَاءِ

عشق کی وجہ سے آنسو سیلابوں کی طرح رواں ہیں اور دل ملاقات کے خیال سے بریاں ہے۔

وَاَرَی الْوِدَادَ اَنَارَ بَاطِنَ بَاطِنِیْ ۔ وَاَرَی التَّعَشُّقَ لَاحَ فِیْ سِیْمَائِیْ

اور میں دیکھتا ہوں کہ محبت نے میرے باطن کی گہرائی کو روشن کر دیا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ عشق میرے چہرے پر نمودار ہے۔

اَلْخَلْقُ یَبْغُوْنَ اللَّذَاذَةَ فِی الْهَوٰی ۔ وَوَجَدْتُهَا فِیْ حُرْقَةٍ وَّ صَلَاءِ

لوگ تو حرص و ہوا میں لذّت تلاش کرتے ہیں اور میں نے اسے پایا ہے سوزش اور جلنے میں۔

اَللّٰہُ مَقْصِدُ مُھْجَتِیْ وَ اُرِیْدُہٗ   فِیْ کُلِّ رَشْحِ الْقَلَمِ وَالْاِ

اللہ میری جان کا مقصود ہے اور میں اسی کو چاہتا ہوں قلم کے ہر قطرۂ (روشنائی) اور ہر املاء میں۔

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اشْرَبُوْا مِنْ قِرْبَتِیْ   قَدْ مُلِیَٔ مِنْ نُّوْرِ الْمُفِیْضِ سِقَا

اے لوگو! میری مشک سے پیو کیونکہ فیاض حقیقی کے نور سے میری مشک پُر کی گئی ہے۔

اِنَّا بُرَآءُ فِیْ مَنَاھِجِ دِیْنِہٖ   مِنْ کُلِّ زِنْدِیْقٍ عَدُوِّ دَھَا

ہم اس کے دین کی راہوں میں ہر زندیق اور عقل کے دشمن سے بیزار ہیں۔

اِنَّا نُطِیْعُ مُحَمَّدًا خَیْرَ الْوَرٰی   نُوْرَ الْمُھَیْمِنِ دَافِعَ الظُّلَمَا

ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں جو مخلوق میں سب سے بہتر ہیں، خدائے مہیمن کا نور ہیں اور ظلمتوں کو دور کرنے والے ہیں

لَکَ الْحَمْدُ یَا تُرْسِیْ وَ حِرْزِیْ وَجَوْسَقِیْ   بِحَمْدِکَ یُرْوٰی کُلُّ مَنْ کَانَ یَسْتَقِیْ

اے میری پناہ اور میرے قلعہ! تیری تعریف ہو، تیری تعریف سے ہر ایک شخص جو پانی چاہتا ہے سیراب ہو جاتا ہے۔

بِذِکْرِکَ یَجْرِیْ کُلُّ قَلْبٍ قَدِ اعْتَقٰی   بِحُبِّکَ یَحْیٰی کُلُّ مَیْتٍ مُمَزَّقِ

تیرے ذکر کیساتھ ہر ایک دل ٹھہرا ہوا جاری ہو جاتا ہے اور تیری محبت کے ساتھ ہر ایک مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔

وَبِاسْمِکَ یُحْفَظُ کُلُّ نَفْسٍ مِنَ الرَّدَا   وَفَضْلُکَ یُنْجِیْ کُلَّ مَنْ کَانَ یُوْبَقِ

اور تیرے نام کے ساتھ ہر ایک شخص ہلاکت سے بچتا ہے اور تیرا فضل ہر ایک قیدی کو رہائی بخشتا ہے۔

وَمَا الْخَیْرُ اِلَّا فِیْکَ یَا خَالِقَ الْوَرٰی   وَمَا الْکَھْفُ اِلَّا اَنْتَ یَا مُتَّکَا التُّقٰی

اور تمام نیکی تیری طرف سے ہے اے جہان آفرین! اور تو ہی پرہیز گاروں کی پناہ ہے۔

وَتَعْنُوْا لَکَ الْاَفْلَاکُ خَوْفًا وَّھَیْبَۃً   وَتَجْرِیْ دُمُوْعُ الرَّاسِیَاتِ وَتَشْھَقُ

اور تیرے آگے خوفزدہ ہو کر آسمان جھکے ہوئے ہیں اور پہاڑوں کے آنسو جاری اور رواں ہیں۔

وَلَیْسَ لِقَلْبِیْ یَا حَفِیْظِیْ وَمَلْجَأِیْ   سِوَاکَ مُرِیْحٌ عِنْدَ وَقْتِ التَّأَزُّقِ

اور میرے دل کیلئے اے میرے نگہبان اور پناہ! کوئی دوسرا آرام پہنچانے والا نہیں جب تنگی وارد ہو۔

یَمِیْلُ الْوَرٰی عِنْدَ الْکُرُوْبِ اِلَی الْوَرٰی   وَ اَنْتَ لَنَا کَھْفٌ کَبَیْتٍ مُسَرْدَقِ

دکھ کے وقت خلقت خلقت کیطرف توجہ کرتی ہے اور تو ہمارے لئے ایسی پناہ ہے جیسے نہایت مضبوط گھر۔

ذَعُوْا غَیْرَ اَمْرِ اللّٰہِ وَاسْعَوْا لِاَمْرِہٖ   ھُوَاللّٰہُ مَوْلَانَا اَطِیْعُوْہُ وَاحْضُرُوْا

غیر اللہ کے حکم کو چھوڑ دو اور اللہ کے حکم (کی اطاعت) میں کوشش کرو۔ اللہ ہی ہمارا مولیٰ ہے اس کی اطاعت کرو اور حاضر ہو جاؤ۔

اَلَا لَیْسَ غَیْرُ اللّٰہِ فِی الدَّھْرِ بَاقِیًا   وَکُلُّ جَلِیْسٍ مَّا خَلَا اللّٰہَ یُھْجَرُ

سنو! اللہ کے سوا زمانے میں کوئی باقی رہنے والا نہیں اور ہر ایک ہم نشین اللہ کے سوا جدا کیا جائے گا۔

(خطبة الهامية۔ روحانی خزائن جلد ۱۶ صفحہ ۳۰۳ تا ۳۰۶)

۵۲

قَصِيدَةٌ مِّنَ الْمُؤَلِّفِ

مؤلف کی طرف سے ایک قصیدہ

اِنِّی مِنَ الرَّحْمٰنِ عَبْدٌ مُکْرَمٌ　　سَمٌّ مُعَادَاتِی وَسِلْمِی اَسْلَمُ

میں رحمٰن کی طرف سے ایک بندہ عزت دیا گیا ہوں۔ میری دشمنی زہر ہے اور مجھ سے صلح سلامتی بخشنے والی ہے۔

اِنِّی اَنَا الْبُسْتَانُ بُسْتَانُ الْهُدٰی　　اِنِّی صَدُوْقٌ مُصْلِحٌ مُتَرَدِّمٌ

میں وہ باغ ہوں جو ہدایت کا باغ ہے۔ میں راست گو اور مصلح ہوں اور اصلاح کرنے والا ہوں۔

مَنْ فَرَّ مِنِّی فَرَّ مِنْ رَبِّ الْوَرٰی　　اِنِّی اَنَا النَّهْجُ السَّلِيْمُ الْاَقْوَمُ

جو شخص مجھ سے بھاگا وہ خدا سے بھاگا۔ میں سلامتی کی راہ اور سیدھی راہ ہوں۔

رُوْحِی لِتَقْدِيْسِ الْعَلِیِّ حَمَامَةٌ　　اَوْ عَنْدَلِيْبٌ غَارِدٌ مُتَرَنِّمُ

میری رُوح خدا کی تقدیس کے لئے ایک کبوتری ہے یا ایک بلبل ہے جو خوش آواز سے بول رہی ہے۔

مَاجِئْتُكُمْ فِی غَيْرِ وَقْتٍ عَابِثًا　　قَدْ جِئْتُكُمْ وَالْوَقْتُ لَيْلٌ مُظْلِمُ

میں تمہارے پاس بے وقت بطور لہو ولعب کے نہیں آیا میں اُس وقت آیا جب کہ زمانہ رات کی طرح تھا۔

۵۳

اَمِتْنِی فِی الْمَحَبَّةِ وَالْوِدَادِ　　وَكُنْ فِی هٰذِهٖ لِی وَالْمَعَادِ

مجھے اپنی محبت میں ہی وفات دے اور اس دنیا اور آخرت میں تو میرا ہو جا۔

وَلَمْ يَبْقَ الْهُمُوْمُ لَنَا فَاِنَّا　　تَوَكَّلْنَا عَلٰی رَبِّ الْعِبَادِ

اور ہمیں کوئی غم نہیں رہے۔ کیونکہ ہم نے ربّ العباد پر توکل کیا۔

(تذکرہ صفحہ ۷۷۹۔ رجسٹر روایات صحابہ جلد نمبر ۱۱ صفحہ ۱۰۹۔ و رجسٹر روایات صحابہ جلد نمبر ۱۴ صفحہ ۱۲۶

روایت حضرت میاں محمد دین صاحب واصل باقی نویس

ترجمہ از تذکرہ صفحہ ۶۶۳ ایڈیشن چہارم مطبوعہ ۲۰۰۴ء)

اسماء الحسنیٰ یا صفاتِ الٰہی کی تعداد

پہلی اصولی بات یہ ہے کہ صفاتِ الٰہی کی تعداد کیا ہے۔ عام طور پر یہ تعداد ننانوے سمجھی جاتی ہے جو ترمذی کی ایک حدیث سے لی گئی ہے۔ اس کے ابواب الدعوات (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں) کے باب ۸۷ میں یہ ننانوے اسماء الحسنیٰ دیئے گئے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انّ للہ تسعة وتسعین اسماً مائة غیر واحدة مَن احصاها دخل الجنة۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کو یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہوگیا۔ آگے وہ نام درج کئے گئے ہیں جو یہ ہیں:۔

ھو اللہ الّذی لا الٰہ الّا ھو - الرّحمٰن - الرّحیم - الملک - القدوس - السّلام - المومن - المھیمن - العزیز - الجبار - المتکبر - الخالق - البارئ - المصوّر - الغفار - القھّار - الوھّاب - الرّزاق - الفتّاح - العلیم - القابض - الباسط - الخافض - الرافع - المعزّ - المذلّ - السمیع - البصیر - الحکم - العدل - اللطیف - الخبیر - الحلیم - العظیم - الغفور - الشکور - العلیّ - الکبیر - الحسیب - الجلیل - الکریم - الرقیب - المجیب - الواسع - الحکیم - الودود - المجید - الباعث - الشھید - الحقّ - الوکیل - القویّ - المتین - الولی - الحمید - المحصی - المبدئ - المعید - المحی - الممیت - الحیّ - القیوم - الواجد - الماجد - الواحد - الصمد -

القادر - المقتدر - المقدّم - المؤخّر - الاوّل - الآخر - الظاھر - الباطن - الوالی - المتعالیٰ - البرّ - التوّاب - المنتقم - العفوّ - الرؤف - مالک الملک - ذوالجلال والاکرام - المقسط - الجامع - الغنی - المغنی - المانع - الضآرّ - النافع - النور - الھادی - البدیع - الباقی - الوارث - الرشید - الصبور -

ننانوے کی تعداد کا ذکر بعض اور حدیثوں میں بھی ہے لیکن ان کو گنوایا صرف اسی حدیث میں گیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی بعض اور نام حدیثوں میں آتے ہیں۔ اور بہت سے نام قرآن کریم میں بھی ہیں جو ان میں شامل نہیں ہیں مثلاً سورہ فاتحہ میں ہی رب العالمین اور مالک یوم الدین صفات کا ذکر ہے جو ان ننانوے میں نہیں۔ حالانکہ یہ ام الصفات سے ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم میں جو صفات مذکور ہیں ان میں یہ بھی ہیں:۔

الاحد - الفاطر - المحیط - القریب - فالق الحبّ والنوی فالق الاصباح - الاعلیٰ - الاکبر - القدیر - الغالب - الصادق - المولیٰ - النصیر - عالم الغیب والشھادة -

سبحان اللہ کا بھی قرآن کریم میں کثرت سے ذکر ہے بلکہ نماز بھی اسی سے شروع ہوتی ہے۔ اسی سے اس کی ایک صفت السُّبُّوح یا السَّبُّوح (س کی ضم کے ساتھ یا س کی فتح کے ساتھ) شمار کی گئی ہے۔ چنانچہ لغت کی مشہور کتاب "اقرب الموارد" میں ہے۔

(السُّبُّوح والسَّبُّوح) من صفاته تعالیٰ لانّه یُسَبَّحُ ویُنَزَّهُ من کل سوءٍ (سبحان اللہ) ای اُبرّئُ اللہ من

السُّوءِ بَرَاءَۃٌ۔ یعنی السُّبُّوح اور السَّبُّوح اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے کیونکہ اس کی ہر عیب سے پاکیزگی بیان کی جاتی ہے۔ سبحان اللہ کے معنے ہیں مَیں اللہ کو ہر عیب سے بری جانتا ہوں۔

قرآن کریم اور حدیثوں میں مذکور اسمائے الٰہی مِلا جلا کر تعداد میں اڑھائی صد کے قریب شمار کئے گئے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اس کی صفات بھی لامحدود ہیں۔ اگر صفات کو محدود شمار کیا جائے تو اس کی ذات بھی محدود ہو جاتی ہے کیونکہ کسی چیز کے وجود کے معنے ہی بعض صفات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اگر وہ وجود محدود ہو یعنی حد بندیاں رکھتا ہو جیسا کہ ہمیں مخلوق کی ہر چیز نظر آتی ہے تو اس کی صفت بھی محدود ہوں گی

✓ اب یہ آیت جن کامل صداقتوں پر مشتمل ہے ان کو بھی سُن لینا چاہیئے۔ سو منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اصل مطلب اِس آیت کے نزول سے یہ ہے کہ تا عاجز اور بیخبر بندوں کو اِس نکتۂ معرفت کی تعلیم کی جائے کہ ذات واجب الوجود کا اسم اعظم جو اللہ ہے کہ جو اصطلاح قرآنی ربانی کے رُو سے ذاتِ مستجمع جمیع صفاتِ کاملہ اور منزّہ عن جمیع رزائل اور معبودِ برحق اور واحد لاشریک اور مبدءِ جمیع فیوض پر بولا جاتا ہے۔ اِس اسم اعظم کی بہت سی صفات میں سے جو دو صفتیں بسم اللہ میں بیان کی گئی ہیں یعنے صفتِ رحمانیت و رحیمیت اِنہیں دو صفتوں کے تقاضا سے کلام الٰہی کا نزول اور اسکے انوار و برکات کا صدور ہے۔ اَللّٰہ کو تمام دوسرے اسماء و صفات کا موصوف ٹھہرایا ہے اور کسی جگہ کسی دوسرے اسم کو یہ رتبہ نہیں دیا۔ پس اللہ کے اسم کو بوجہ موصوفیت تامہ ان تمام صفتوں پر دلالت ہے۔ جن کا وہ موصوف ہے۔ اور چونکہ وہ جمیع اسماء اور صفات کا موصوف ہے اسلئے اس کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ جمیع صفاتِ کاملہ پر مشتمل ہے۔ پس خلاصہ مطلب اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا یہ نکلا کہ تمام اقسام حمد کے کیا باعتبار ظاہر کے اور کیا باعتبار باطن کے اور کیا باعتبار ذاتی کمالات کے اور کیا باعتبار قدرتی عجائبات کے اللہ سے مخصوص ہیں اور اس میں کوئی دوسرا

شریک نہیں۔ اور نیز جس قدر محامدِ صحیحہ اور کمالاتِ تامہ کو عقل کسی عاقل کی سوچ سکتی ہے یا فکر کسی متفکر کا ذہن میں لاسکتا ہے۔ وہ سب خوبیاں اللہ تعالیٰ میں موجود ہیں۔ اور کوئی ایسی خوبی نہیں کہ عقل اس خوبی کے امکان پر شہادت دے۔ مگر اللہ تعالیٰ بدقسمت انسان کی طرح اس خوبی سے محروم ہو۔ بلکہ کسی عاقل کی عقل ایسی خوبی پیش ہی نہیں کر سکتی کہ جو خدا میں نہ پائی جائے۔ جہانتک انسان زیادہ سے زیادہ خوبیاں سوچ سکتا ہے وہ سب اُس میں موجود ہیں اور اُسکو اپنی ذات اور صفات اور محامد میں من کل الوجوہ کمال حاصل ہے اور رزائل سے بکلّی منزّہ ہے۔ اب دیکھو یہ ایسی صداقت ہے جس سے سچا اور جھوٹا مذہب ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ تمام مذہبوں پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ بجز اسلام دُنیا میں کوئی بھی ایسا مذہب نہیں ہے کہ جو خدائے تعالیٰ کو جمیع رزائل سے منزّہ اور تمام محامدِ کاملہ سے متصف سمجھتا ہو۔

غیر متکلّم ہونا اور نطق پر ہرگز قادر نہ ہونا اور اپنے علوم کے القا اور الہام سے عاجز ہونا تجویز کرتے ہیں۔ اور جو حقیقی اور کامل ہادی میں صفاتِ کاملہ ہونی چاہیئے۔ اُن صفات سے اُس کو خالی سمجھتے ہیں۔ بلکہ اِس قدر ایمان بھی اُنہیں نصیب نہیں کہ وہ خدائے تعالیٰ کی نسبت یہ اعتقاد رکھیں کہ اپنی ہستی اور الوہیت کو اُس نے اپنے ارادے اور اختیار سے دُنیا میں ظاہر کیا ہے۔ برخلاف اِس کے وہ تو یہ کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ ایک مُردہ یا ایک پتھر کی طرح کسی گوشۂ گمنامی میں پڑا ہوا تھا۔ عقلمندوں نے آپ محنتیں کر کے اُس کے وجود کا پتہ لگایا اور اُس کی خدائی کو دنیا میں مشہور کیا۔ پس ظاہر ہے کہ وہ بھی مثل اپنے اور بھائیوں کے محامدِ کاملہ حضرت احدیت سے منکر ہیں۔ بلکہ جن تعریفوں سے اس کو یاد کرنا چاہیئے وہ تمام تعریفیں اپنے نفس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اس جگہ سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی چار صفتیں بیان فرمائیں۔ یعنے ربّ العالمین۔ رحمان۔ رحیم۔ مالکِ یوم الدین۔ اور ان ہر چہار صفتوں میں سے ربّ العالمین کو سب سے مقدم رکھا اور پھر بعد اس کے صفتِ رحمان کو ذکر کیا۔ پھر صفتِ رحیم کو بیان فرمایا۔ پھر سب کے اخیر صفتِ مالکِ یوم الدین کو۔

لائے۔ پس سمجھنا چاہیئے کہ یہ ترتیب خدائے تعالےٰ نے کیوں اختیار کی۔ اِس میں نکتہ یہ ہے کہ اِن صفاتِ اربعہ کی ترتیبِ طبعی یہی ہے۔ اور اپنی واقعی صورت میں اِسی ترتیب سے یہ صفتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اِس کی تفصیل یہ ہے کہ دُنیا پر خدا کا چار طور پر فیضان پایا جاتا ہے۔ جو غور کرنے سے ہر یک عاقل اس کو سمجھ سکتا ہے۔

پہلا فیضان **فیضانِ اعم** ہے۔ یہ وہ فیضانِ مطلق ہے کہ جو بلا تمیز ذی رُوح و غیر ذی رُوح افلاک سے لیکر خاک تک تمام چیزوں پر علی الاتصال جاری ہے اور ہر یک چیز کا عدم سے صُورتِ وجود پکڑنا اور پھر وجود کا حدِّ کمال تک پہنچنا اِسی فیضان کے ذریعہ سے ہے۔ اور کوئی چیز جاندار ہو یا غیر جاندار اس سے باہر نہیں۔ اسی سے وجود تمام ارواح و اجسام ظہور پذیر ہُوا اور ہوتا ہے اور ہر یک چیز نے پرورش پائی اور پاتی ہے۔ یہی فیضان تمام کائنات کی جان ہے۔ اگر ایک لمحہ منقطع ہو جائے۔ تو تمام عالم نابود ہو جائے۔ اور اگر نہ ہوتا۔ تو مخلوقات میں سے کچھ بھی نہ ہوتا۔ اس کا نام قرآن شریف میں **ربوبیّت** ہے۔ اور اسی کی رُو سے خدا کا نام **ربّ العالمین** ہے۔ جیسا کہ اُس نے دُوسری جگہ بھی فرمایا ہے۔ وَھُوَ رَبُّ کُلِّ شَیۡءٍ الجز ونمبر ۸ یعنے خدا ہر یک چیز کا رب ہے۔ اور کوئی چیز عالم کی چیزوں میں سے اُس کی ربوبیّت سے باہر نہیں۔ سو خدا نے سُورۃ فاتحہ میں سب صفاتِ فیضانی میں سے پہلے صفت ربّ العالمین کو بیان فرمایا۔ اور کہا۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔ یہ اِس لئے کہا کہ سب فیضانی صفتوں میں سے تقدم طبعی صفت ربوبیّت کو حاصل ہے یعنے ظہور کے رُو سے بھی صفت مقدم الظہور اور تمام صفاتِ فیضانی سے اعم ہے کیونکہ ہر یک چیز پر خواہ جاندار ہو خواہ غیر جاندار مشتمل ہے۔

پھر دُوسرا قسم فیضان کا جو دُوسرے مرتبہ پر واقعہ ہے **فیضانِ عام** ہے۔ اِس میں اور فیضانِ اعم میں یہ فرق ہے کہ فیضانِ اعم تو ایک عام ربوبیّت ہے جس کے ذریعہ سے کُل کائنات کا ظہور اور وجود ہے۔ اور یہ فیضان جس کا نام فیضانِ عام ہے۔ یہ ایک خاص عنایتِ ازلیہ ہے جو جانداروں کے حال پر مبذول ہے یعنے ذی رُوح چیزوں کی طرف حضرتِ باری کی جو ایک خاص توجہ ہے، اس کا نام فیضانِ عام ہے۔ اور اس فیضان کی یہ تعریف ہے کہ یہ بلا استحقاق اور بغیر اس کے کہ کسی کا کچھ حق ہو۔ سب ذی رُوحوں پر

حسب حاجت اُن کے جاری ہے۔ کسی کے عمل کا پاداش نہیں۔ اور اسی فیضان کی برکت سے ہر یک جاندار جیتا، جاگتا، کھاتا، پیتا اور آفات سے محفوظ اور ضروریات سے متمتّع نظر آتا ہے۔ اور ہر یک ذی رُوح کے لئے تمام اسباب زندگی کے جو اُس کے لئے یا اُس کے نوع کے بقا کے لئے مطلوب ہیں میسّر نظر آتے ہیں۔ اور یہ سب آثار اسی فیضان کے ہیں کہ جو کچھ رُوحوں کو جسمانی تربیت کے لئے درکار ہے۔ سب کچھ دیا گیا ہے۔ اور ایسا ہی جن رُوحوں کو علاوہ جسمانی تربیت کے رُوحانی تربیت کی بھی ضرورت ہے۔ یعنے رُوحانی ترقی کی استعداد رکھتے ہیں۔ اُن کے لئے قدیم سے عین ضرورتوں کے وقتوں میں کلامِ الٰہی نازل ہوتا رہا ہے۔ غرض اسی فیضانِ رحمانیت کے ذریعہ سے انسان اپنی کروڑہا ضروریات پر کامیاب ہے۔ سکونت کے لئے سطحِ زمین۔ روشنی کے لئے چاند اور سورج۔ دم لینے کے لئے ہوا۔ پینے کے لئے پانی۔ کھانے کے لئے انواع اقسام کے رزق۔ اور علاجِ امراض کیلئے لاکھوں طرح کی ادویہ۔ اور پوشاک کے لئے طرح طرح کی پوشیدنی چیزیں اور ہدایت پانے کے لئے صحفِ ربانی موجود ہیں اور کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ تمام چیزیں میرے عملوں کی برکت سے پیدا ہو گئیں ہیں اور میں نے ہی کسی پہلے جنم میں کوئی نیک عمل کیا تھا جس کی پاداشں میں یہ بے شمار نعمتیں خدا نے بنی آدم کو عنایت کیں پس ثابت ہے، کہ یہ فیضان جو ہزارہا طور پر ذی رُوحوں کے آرام کے لئے ظہور پذیر ہو رہا ہے یہ عطیہ بلا استحقاق ہے جو کسی عمل کے عوض میں نہیں فقط ربّانی رحمت کا ایک جوش ہے تا ہر یک جاندار اپنے فطرتی مطلوب کو پہنچ جائے اور جو کچھ اسکی فطرت میں حاجتیں ڈالی گئیں وہ پوری ہو جائیں۔ پس اس فیضان میں عنایتِ ازلیہ کا کام یہ ہے، کہ انسان اور جمیع حیوانات کی ضروریات کا تعہد کرے اور انکی بایست اور نابایست کی خبر رکھے تا وہ ضائع نہ ہو جائیں اور انکی استعدادیں حیّزِ کتمان میں نہ رہیں اور اس صفتِ فیضانی کا خدائے تعالیٰ کی ذات میں پایا جانا قانونِ قدرت کے ملاحظہ سے نہایت بدیہی طور پر ثابت ہو رہا ہے کیونکہ کسی عاقل کو اس میں کلام نہیں کہ جو کچھ چاند اور سُورج اور زمین اور عناصر وغیرہ ضروریات دُنیا میں پائی جاتی ہیں جن پر تمام ذی رُوحوں کی زندگی کا مدار ہے۔ اسی فیضان کے اثر سے ظہور پذیر ہیں اور ہر یک متنفّس بلا تمیز انسان و حیوان و

مومن و کافر و نیک و بد حسب حاجت اپنے ان فیوض مذکورہ بالا سے مستفیض ہو رہا ہے اور کوئی ذی رُوح اس سے محروم نہیں اور اس فیضان کا نام قرآن شریف میں رحمانیت ہے اور

بقیہ حاشیہ نمبر ۱۱

اسی کے روسے خدا کا نام سورۃ فاتحہ میں بعد صفت رب العالمین رحمٰن آیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ الرَّحۡمٰنِ ۔ اسی صفت کی طرف قرآن شریف کے کئی ایک اور مقامات میں بھی اشارہ فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ منجملہ انکے یہ ہے۔ وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمُ اسۡجُدُوۡا لِلرَّحۡمٰنِ قَالُوۡا وَ مَا الرَّحۡمٰنُ ٭ اَنَسۡجُدُ لِمَا تَاۡمُرُنَا وَ زَادَہُمۡ نُفُوۡرًا ۔ تَبٰرَکَ الَّذِیۡ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّ جَعَلَ فِیۡہَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیۡرًا ۔ وَ ہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ خِلۡفَۃً لِّمَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّذَّکَّرَ اَوۡ اَرَادَ شُکُوۡرًا ۔ وَ عِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ ہَوۡنًا وَّ اِذَا خَاطَبَہُمُ الۡجٰہِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا ۔ [1] یعنی جب کافروں اور بے دینوں اور دہریوں کو کہا جاتا ہے کہ تم رحمان کو سجدہ کرو تو وہ رحمان کے نام سے متنفر ہو کر بطور انکار سوال کرتے ہیں کہ رحمان کیا چیز ہے (پھر بطور جواب فرمایا) رحمان وہ ذات کثیر البرکت اور مصدر خیرات دائمی ہے جس نے آسمان میں بُرج بنائے۔ بُرجوں میں آفتاب اور چاند کو رکھا جو کہ عامہ مخلوقات کو بغیر تفریق کافر و مومن کے روشنی پہنچاتے ہیں۔ اسی رحمان نے تمہارے لئے یعنی تمام بنی آدم کے لئے دن اور رات بنائی جو کہ ایک دوسرے کے بعد دورہ کرتے رہتے ہیں تا جو شخص طالب معرفت ہو وہ ان دقائق حکمت سے فائدہ اٹھاوے اور جہل اور غفلت کے پردہ سے خلاصی پاوے اور جو شخص شکر نعمت کرنے کا

[1] الفرقان :۶۱ تا ۶۴

مستعد ہو۔ وہ شکر کرے۔ رحمان کے حقیقی پرستار وہ لوگ ہیں کہ جو زمین پر بردباری سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے سخت کلامی سے پیش آئیں تو سلامتی اور رحمت کے لفظوں سے ان کا معاوضہ کرتے ہیں یعنی بجائے سختی کے نرمی اور بجائے گالی کے دعا دیتے ہیں۔ اور تشبّہ باخلاق رحمانی کرتے ہیں کیونکہ رحمان بھی بغیر تفریق نیک و بد کے اپنے سب بندوں کو سورج اور چاند اور زمین اور دوسری بے شمار نعمتوں سے فائدہ پہنچاتا ہے۔ پس ان آیات میں خدائے تعالیٰ نے اچھی طرح کھول دیا کہ رحمان کا لفظ ان معنوں کر کے خدا پر بولا جاتا ہے کہ اس کی رحمت وسیع عام طور پر ہر یک بُرے بھلے پر محیط ہو رہی ہے۔ جیسا ایک جگہ اور بھی اسی رحمت عام کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ عَذَابِیۡۤ اُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ اَشَآءُ ۚ وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ [1] یعنی میں اپنا عذاب جس کو لائق اس کے دیکھتا ہوں پہنچاتا ہوں اور میری رحمت نے ہر یک چیز کو گھیر رکھا ہے۔ اور پھر ایک اور موقعہ پر فرمایا قُلۡ مَنۡ یَّکۡلَؤُکُمۡ بِالَّیۡلِ وَ النَّہَارِ مِنَ الرَّحۡمٰنِ ۔ [2] یعنی ان کافروں اور نافرمانوں کو کہہ کہ اگر خدا میں صفت رحمانیت کی نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ تم اس کے عذاب سے محفوظ رہ سکتے یعنی اسی کی رحمانیت کا اثر ہے کہ وہ کافروں اور بے ایمانوں کو مہلت دیتا ہے اور جلد تر نہیں پکڑتا۔ پھر ایک اور جگہ اسی رحمانیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَہُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقۡبِضۡنَ ؕۘؔ مَا یُمۡسِکُہُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ ۔ الجزو نمبر ۲۹ [3] یعنی کیا ان لوگوں نے اپنے سروں پر پرندوں کو اڑتے ہوئے نہیں دیکھا کہ کبھی وہ بازو کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں رحمٰن ہی ہے کہ

۲ الانبیاء:۴۳ ۳ الملک:۲۰

ان کو گرنے سے تھام رکھتا ہے یعنی فیضان رحمانیت ایسا تمام ذی روحوں پر محیط ہو رہا ہے
پرندے بھی جو ایک پیسہ کے دو تین مل سکتے ہیں وہ بھی اس فیضان کے وسیع دریا میں خوشی
سرور سے تیر رہے ہیں۔ اور چونکہ ربوبیت کے بعد اسی فیضان کا مرتبہ ہے۔ اس جہت
اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں رب العالمین کی صفت بیان فرما کر پھر اس کے رحمان ہونے
صفت بیان فرمائی تا ترتیب طبعی ان کی ملحوظ رہے۔ تیسری قسم فیضان کی فیضان خاص ہے
میں اور فیضان عام میں یہ فرق ہے کہ فیضان عام میں مستفیض پر لازم نہیں کہ حصول فیض
لئے اپنی حالت کو نیک بناوے اور اپنے نفس کو حجب ظلمانیہ سے باہر نکالے یا کسی قسم کا مجاہدہ
کوشش کرے بلکہ اس فیضان میں جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں خدائے تعالیٰ آپ
ہر یک ذی روح کو اس کی ضروریات جن کا وہ حسب فطرت محتاج ہے عنایت فرماتا ہے
بن مانگے اور بغیر کسی کوشش کے مہیا کر دیتا ہے۔ لیکن فیضان خاص میں جہد اور کوشش اور تز
قلب اور دعا اور تضرع اور توجہ الی اللہ اور دوسرا ہر طرح کا مجاہدہ جیسا کہ موقع ہو شرط ہے
اس فیضان کو وہی پاتا ہے جو ڈھونڈتا ہے اور اسی پر وارد ہوتا ہے جو اس کے لئے محنت کرتا
اور اس فیضان کا وجود بھی ملاحظہ قانون قدرت سے ثابت ہے کیونکہ یہ بات نہایت بدیہی ہے
کہ خدا کی راہ میں سعی کرنے والے اور غافل رہنے والے دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ بلاشبہ
لوگ دل کی سچائی سے خدا کی راہ میں کوشش کرتے ہیں اور ہر یک تاریکی اور فساد سے کنارہ کش

ہو جاتے ہیں ایک خاص رحمت ان کے شامل حال ہو جاتی ہے۔ اس فیضان کے رو سے
خدائے تعالیٰ کا نام قرآن شریف میں رحیم ہے اور یہ مرتبہ صفت رحیمیت کا بوجہ خاص ہونے اور
مشروط بہ شرائط ہونے کے مرتبہ صفت رحمانیت سے موخر ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے
اول صفت رحمانیت ظہور میں آئی ہے۔ پھر بعد اس کے صفت رحیمیت ظہور پذیر ہوئی پس اسی
ترتیب طبعی کے لحاظ سے سورۃ فاتحہ میں صفت رحیمیت کو صفت رحمانیت کے بعد میں ذکر فرمایا اور کہا
الرحمٰن الرحیم اور صفت رحیمیت کے بیان میں کئی مقامات پر قرآن شریف میں ذکر موجود ہے۔ جیسا
ایک جگہ فرمایا ہے وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا۔ [1] یعنی خدا کی رحیمیت صرف ایمانداروں سے
خاص ہے جس سے کافر کو یعنی بے ایمان اور سرکش کو حصہ نہیں۔

اس جگہ دیکھنا چاہئے کہ خدا نے کیسی صفت رحیمیت کو مومن کے ساتھ خاص کر دیا لیکن رحمانیت کو کسی
جگہ مومنین کے ساتھ خاص نہیں کیا اور کسی جگہ یہ نہیں فرمایا کہ کان بالمؤمنین رحمانًا بلکہ جو
مومنین سے رحمت خلق متعلق ہے ہر جگہ اس کو رحیمیّت کی صفت سے ذکر کیا ہے۔ پھر دوسری جگہ فرمایا
ہے۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ [2] یعنی رحیمیّت الٰہی انہیں لوگوں سے قریب ہے جو
نیکوکار ہیں پھر ایک اور جگہ فرمایا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ [3]

[1] الاحزاب:۴۴ [2] الاعراف:۵۷ [3] البقرة:۲۱۹

ایک ایسے صانع کی ضرورت ہے جو اپنی ذات میں مُدبّر بالارادہ اور حکیم اور علیم اور
اور غیر فانی اور تمام صفاتِ کاملہ سے متّصف ہو۔ سو وُہی اللہ ہے جس کو اپنی ذات میں
تام حاصل ہے۔ پھر بعد ثبوت وجودِ صانعِ عالم کے طالبِ حق کو اِس بات کا سمجھا
تھا کہ وہ صانع ہر یک طور کی شرکت سے پاک ہے۔ سو اِس کی طرف اشارہ فرمایا قُل
اللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ الصَّمَدُ الخ۔ اِس اقل عبارت کو جو بقدر ایک سطر بھی نہیں دیکھنا
کہ کس لطافت اور عمدگی سے ہر یک قسم کی شراکت سے وجودِ حضرتِ باری کا منزّہ ہونا
فرمایا ہے اِسکی تفصیل یہ ہے کہ شرکت از رُوئے حصرِ عقلی چار قسم پر ہے کبھی شرکت عدد
ہوتی ہے اور کبھی مرتبہ میں اور کبھی نسب میں اور کبھی فعل میں اور تاثیر میں۔ سو اِس سُورۃ
اُن چاروں قسموں کی شرکت سے خدا کا پاک ہونا بیان فرمایا اور کھول کر بتلا دیا کہ وُہ
میں ایک ہے دو یا تین نہیں اور وُہ صمد ہے یعنے اپنے مرتبۂ وجُوب اور محتاج الیہ ہونے
منفرد اور یگانہ ہے اور بجز اُس کے تمام چیزیں ممکن الوجود اور ہالک الذات ہیں
اُس کی طرف ہر دم محتاج ہیں اور وہ لَمْ یَلِدْ ہے یعنے اُس کا کوئی بیٹا نہیں تا بوجہ
بیٹا ہونے کے اُس کا شریک ٹھہر جائے اور وہ لَمْ یُوْلَدْ ہے یعنے اُس کا کوئی
نہیں تا بوجہ باپ ہونے کے اُس کا کوئی شریک بن جائے اور وہ لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا
یعنے اُس کے کاموں میں کوئی اُس سے برابری کرنے والا نہیں تا باعتبار فعل کے اُس کا
شریک قرار پاوے۔ سو اِس طور سے ظاہر فرما دیا کہ خدائے تعالےٰ چاروں قسم کی شرکت
سے پاک اور منزّہ ہے اور وحدہٗ لاشریک ہے۔ پھر بعد اِس کے اُس کے وحدہٗ
لاشریک ہونے پر ایک عقلی دلیل بیان فرمائی اور کہا لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰہُ
لَفَسَدَتَا۔ وَمَا کَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ الخ۔

۱تا۴ اخلاص: ۲ تا ۵ ۵ الانبیآء: ۲۳ ۶ المؤمنون: ۹۲

اور بجز امور منافی صفاتِ کاملہ حضرت باری عزّ اسمہٗ سب کاموں پر اُس کو
قادر سمجھا جائے اور امکانی طور پر سب ممکناتِ قدرت پر ایمان لایا جائے یہی طریق اہلِ حق ہے جس
سے خدائے تعالیٰ کی عظمت و کبریائی قبول کیجاتی ہے اور ایمانی صورت بھی محفوظ رہتی ہے جس پر
ثواب پانے کا تمام مدار ہے۔ نہ یہ کہ چند محدود باتیں اُس غیر محدود کی گلے کا ہار بنائی جائیں اور یہ
خیال کیا جائے کہ گویا اُس نے اپنے ازلی ابدی زمانہ میں ہمیشہ بمقدار قدرتوں ہیں اپنی جمیع
طاقتوں کو محدود کر رکھا ہے یا اِسی حد پر کسی قاسر سے مجبور ہو رہا ہے اگر خدائے تعالیٰ ایسا ہی
محدود القُدرت ہوتا تو اُسکے بندوں کیلئے بڑے ماتم اور مصیبت کی جگہ تھی وہ عظیم الشان قُدرتوں
والا اپنی ذات و صفات میں لایدرک و لا انتہا ہے کون جانتا ہے کہ اُس نے پہلے کیا کیا کام کیا اور
آئندہ کیا کیا کریگا تعالیٰ اللّٰہ علوًّا کبیرًا۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ اِس سے بڑھ کر کوئی بھی گمراہی
نہیں کہ انسان اپنی عقل کے پیمانہ سے باری عزّ اسمہٗ کے مُلک کو ناپنا چاہے یہ بیانات
بہت صاف ہیں جن کے سمجھنے میں کوئی دقّت نہیں لیکن بڑے مشکل کی یہ بات ہے کہ دُنیا
پرست آدمی جس کی نظر دُنیا کی مدح و ذم پر لگی ہُوئی ہے وہ جب ایک رائے اپنی قائم کر کے مشہور
کر دیتا ہے تو پھر اُس رائے کا چھوڑنا خواہ کیسی ہی وجوہات بیّنہ مخالف رائے نکل آویں اُس پر
بہت مشکل ہو جاتا ہے اور پھر جب ایسے غلط خیالات میں چند نامی عقلاء مُبتلا ہو جائیں تو ادنیٰ
استعداد کے آدمی اُن خیالات کی تقلید کرنا اور بے سوچے سمجھے اُس پر قدم مارنا اپنی عقلمندی
ثابت کرنے کیلئے ایک ذریعہ سمجھ لیتے ہیں فلسفی تقلید ہمیشہ اسی طرح پھیلتی رہی ہے کم استعداد لوگ
جو بچوں کی سی کمزوری رکھتے ہیں وہ بڑے بابا کا مونہہ دیکھ کر وُہی باتیں کہنے لگتے ہیں جو اُس
بزرگ کے مونہہ سے نکلیں گو وُہ واقعی ہوں یا غیر واقعی۔ اور صحیح ہوں یا غیر صحیح۔ اُن کو اپنی
سمجھ تو ہوتی ہی نہیں ناچار وہ کسی نامی صیّاد کے دام میں پھنس جاتے ہیں۔ واقعی جتنا
انسان تقلید سے نفرت کر کے بھاگتا ہے اُتنا ہی تقلید میں بار بار پڑتا ہے۔

اِس جگہ اس بات کا جواب دینا بھی مناسب ہے کہ اگر سب اُمور قوانین ازلیہ و ابدیہ میں داخل ہیں یعنے پہلے ہی سے بندھے ہوئے چلے آتے ہیں تو پھر معجزات کیا شے ہیں سو جاننا چاہیئے کہ بیشک یہ تو سچ ہے کہ قوانین ازلیہ و ابدیہ سے یا یُوں کہو کہ خدائے تعالیٰ کے ازلی ارادہ اور اُسکے قضا و قدر سے کوئی چیز باہر نہیں گو ہم اس پر اطلاع پاویں یا نہ پاویں۔ جف القلم بما هو کائن مگر اسی عادت الٰہیہ نے جو دوسرے لفظوں میں قانونِ قدرت سے موسوم ہو سکتی ہے۔ بعض چیزوں کے ظہور کو بعض کے ساتھ مشروط کر رکھا ہے پس جو اُمور ازلی ابدی ارادہ نے مُقدسوں کی دُعاؤں اور اُنکی برکاتِ انفاس اور اُنکی توجہ اور اُنکی عقد ہمت اور اُنکے اقبالِ ایّام سے وابستہ کر رکھے ہیں اور اُنکے تضرعات اور ابتہالات پر مُترتّب کی جاتی ہیں وہ اُمور جب اُنہیں شرائط اور اُنہیں وسائل سے ظہور میں آتے ہیں تب اُن اُمور کو اُس خاص حالت میں معجزہ یا کرامت یا نشان یا خارقِ عادت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس جگہ خارق عادت کے لفظ سے اِس شبہ میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ وہ کونسا امر ہے جو عادتِ الٰہیہ سے باہر ہے کیونکہ اس محل میں خارقِ عادت کے قول سے ایک مفہوم اضافی مراد ہے یعنے یوں تو عاداتِ ازلیہ و ابدیہ خدائے کریم جل شانہٗ سے کوئی چیز باہر نہیں مگر اُس کی عادات جو بنی آدم سے تعلق رکھتی ہیں۔ دو طور کی ہیں ایک عاداتِ عامہ جو رُوپوش اسباب ہو کر سب پر مؤثر ہوتی ہیں دوسری عاداتِ خاصہ جو بتوسطِ اسباب اور بلاتوسطِ اسباب خاص اُن لوگوں سے تعلق رکھتی ہیں جو اُسکی محبت اور رضا میں کھوئی جاتی ہیں یعنے جب انسان بکلی خدائے تعالیٰ کی طرف انقطاع کرکے اپنی عاداتِ بشریہ کو استرضاءِ حق کے لئے تبدیل کر دیتا ہے تو خدائے تعالیٰ اُسکی اُس حالتِ مُبدّلہ کے موافق اُسکے ساتھ ایک خاص معاملہ کرتا ہے جو دُوسروں سے نہیں کرتا یہ خاص معاملہ نسبتی طور پر گویا خارقِ عادت ہے جسکی حقیقت اُنہیں پر کھلتی ہے جو عنایتِ الٰہی سے اُس طرف کھینچے جاتے ہیں۔ جب انسان اپنی بشری عادتوں کو جو اُس میں اور اُسکے رب میں حائل ہیں شوقِ توصّلِ الٰہی میں توڑتا ہے تو خدائے تعالیٰ بھی اپنی عام عادتوں کو اُس کے لئے توڑ دیتا ہے یہ توڑنا بھی عاداتِ

ازلیہ میں سے ہے کوئی مستحدث نہیں ہے جو مورد اعتراض ہو سکے گویا قدیم قانون حضرت احدیت جل شانہٗ اسی طور پر چلا آتا ہے کہ جیسے جیسے انسان کا بھروسا خدائے تعالیٰ پر بڑھتا ہے ایسا ہی اُس طرف سے الوہیت کی قدرتوں کی چمکار اور اُس کی کرنیں زیادہ سے زیادہ اُسپر پڑتی ہیں اور جیسے جیسے اس طرف سے ایک پاک اور کامل تعلق ہوتا جاتا ہے ایسا ہی اُس طرف سے بھی کامل اور طیب برکتیں ظاہر و باطن پر اُترتی ہیں اور جیسی جیسی محبتِ الٰہی کی موجیں عاشق صادق کے دل سے اٹھتی ہیں ایسا ہی اُس طرف سے بھی ایک نہایت صاف اور شفاف دریائے محبت کا زور شور سے چھوٹتا ہے اور دائرہ کی طرح اُس کو اپنے اندر گھیر لیتا ہے اور اپنے الٰہی زور سے کھینچکر کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے اور جیسا یہ امر صاف ہے ویسا ہی ہمارے نیچر کے مطابق بھی ہے ہم تم بھی جیسے جیسے دوستی اور محبت اور اخلاص میں بڑھتے ہیں تو اُس دو طرفہ صفائی محبت کی یہی نشانی ہوا کرتی ہے کہ دونوں طرف سے آثارِ خلوص و اتحاد و یگانگت کے ظاہر ہوں نہ صرف ایک طرف سے ہو ہر یک دوست اپنے دوست کے ساتھ عوام الناس کی نسبت معاملہ خارقِ عادت رکھتا ہے جب انسان اپنی پہلی زندگی کی نسبت ایک ایسی نئی زندگی حاصل کرتا ہے جسکو نسبتی طور پر خارقِ عادت کہہ سکتے ہیں تو اُسی دم سے وہی قدیم خدا اپنی تجلیاتِ نادرہ کے رُو سے ایک نیا خدا اُسکے لئے ہو جاتا ہے اور وہ عادتیں اُس کے ساتھ ظہور میں لاتا ہے جو پہلی زندگی کی حالت میں کبھی خیال میں بھی نہیں آئی تھیں۔ خوارق کی کل جس سے عجائباتِ قدرتیہ حرکت میں آتی ہیں انسان کی تبدیل یافتہ روح ہے اور وہ سچی تبدیلی یہانتک آثارِ نمایاں دکھاتی ہے کہ بعض اوقات ایک ایسے طور سے شورِ محبت دل پر استیلا پکڑتا ہے اور عشقِ الٰہی کے پُرزور جذبات اور صدق اور یقین کی سخت کششیں ایسے مقام پر انسان کو پہنچا دیتی ہیں کہ اُس عجیب حالت میں اگر وہ آگ میں ڈالا جائے تو آگ اُسپر کچھ اثر نہیں کر سکتی اگر وہ شیروں اور بھیڑیوں اور ریچھوں کے آگے پھینک دیا جائے تو وہ اُس کو نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ اُس وقت وہ صدق اور عشق کے کامل اور قوی تجلیات سے بشریت کے خواص کو پھاڑ کر کچھ اَور ہو جاتا ہے اور جس طرح لوہے کے ظاہر و باطن پر آگ مستولی ہو کر

اُس کو اپنے رنگ میں لے آتی ہے اسی طرح یہ بھی آتشِ محبتِ الٰہی کے ایک سخت استیلاء
کچھ کچھ اُس طاقتِ عظمیٰ کے خواص ظاہر کرنے لگتا ہے جو اُس پر محیط ہو گئی ہے سو یہ کچھ تعجب کی
بات نہیں کہ عبودیت پر ربوبیت کا کامل اثر پڑنے سے اُس سے ایسے خوارق ظاہر ہوں۔ بلکہ تعجب
تو یہ ہے کہ ایسے اثر کے بعد بھی عبودیت کی معمولی حالت میں کچھ فرق پیدا نہ ہو کیونکہ اگر لوہا آگ
میں تپانے سے کسی قدر خاصہ آگ کا ظاہر کرنے لگے تو یہ امر سراسر مطابق قانونِ قدرت ہے
لیکن اگر سخت تپانے کے بعد بھی اُسی پہلی حالت پر رہے اور کوئی خاصیت جدید اُسمیں پیدا نہ
تو یہ عند العقل صریح باطل ہے سو فلاسفی تجارب بھی اُن خوارق کے ضروری ہونے پر شہادت
دے رہے ہیں۔ یہ افسانہ نہیں اس پر عارفانہ رُوح لیکر غور کرو۔ کیا بدنصیب وہ شخص ہے
اس کو افسانہ سمجھے اور غور نہ کرے اس حالتِ خارقہ کو عارف کا دل جو مبدل ہے خوب شناخت
کرتا ہے۔ دُنیا اس حالت سے غافل ہے اور انکار کرتی ہے پر وہ جو اس مرتبہ تک پہنچا ہے وہ
اس یقینی صداقت کے تصور سے سرور میں ہے۔ یہ تجلیاتِ الٰہیہ کا ایک دقیق بھید ہے اور
اعلیٰ درجہ کا رازِ معرفت ہے اور انسانی رُوح کے تعلقات جو در پردہ اپنے ربِّ کریم سے نہایت نازک
اور لایدرک طور پر واقع ہیں وہ اسی نقطہ پر آکر کھلتے ہیں اور اسی نقطہ پر ایک طرفۃ العین کے
لئے بندہ کے ہاتھ خدا کے ہاتھ اور اُسکی آنکھیں خدا کی آنکھیں اور اُسکی زبان خدا کی زبان کہلاتی
ہے اور ربوبیت کی چادر ذرّہ عبودیت پر پڑ کر اُسکو اپنے انوار میں متواری اور اپنی پُر زور
موجوں کے نیچے گم کر دیتی ہے۔ فلسفیوں کی پُر غرور رُوحیں اس انتہائی مرتبہ کے دریافت
کرنے سے بے نصیب گئیں اور خدائے عزّ و جلّ نے دل کے غریب اور سادہ لوگوں کو یہ حالتیں
دکھا دیں اور اُن پر وارد کر دیں وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ اب خلاصۂ کلام یہ کہ
خدائے تعالیٰ کی ذات میں بہت سی عجائب رحمتیں اور بہت سی نادر وفاداریاں ہیں مگر کھلے کھلے
طور پر اُنہیں پر ظاہر ہوتی ہیں کہ جو لوگ اُسی کے ہو جاتے ہیں اور اُسی کے ہو رہتے ہیں اور اُسی
ایک کے پانے کے لئے بہتوں کی جدائی اختیار کرتے ہیں خاک میں گرتے ہیں تا وہ

کیسے اندھے ہیں کیا وہ جو اپنے کلام کے شروع میں ہی اپنی ذات کو عالمین
سے برتر اور اُن کا رب بتلاتا ہے وہ اس بات کا قائل ہو سکتا ہے کہ میں عالمین
میں داخل اور جسم اور جسمانی ہوں۔ پھر میں کہتا ہوں کہ کیا جس کی تعلیم اس قدر
عالی ہے کہ اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ فرماتا ہے کہ جدھر منہ
پھیرو اُدھر ہی خدا ہے۔ کیا وہ جو کہتا ہے کہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ نمبر ۱۸ کہ اس کا نُور قدرت ساری زمین و آسمان اور ذرہ ذرہ کے
اندر چمک رہا ہے۔ کیا وہ جو نعرہ مار رہا ہے کہ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ الجزو نمبر ۳۔ کہ وہی معبود برحق ہر ایک چیز کی جان اور ہر ایک وجود کا
سہارا ہے۔ کیا وہ جو بتلا رہا ہے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ الجزو نمبر ۲۵
لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ
کہ اُس کی مانند کوئی بھی چیز نہیں بصارتیں اور بصیرتیں اُسکی کُنہ کو نہیں پہنچ سکتیں اور

ا البقرۃ: ۱۱۶ ۲ النور: ۳۶ ۳ آل عمران: ۳ ۴ الشوریٰ: ۱۲ ۵ الانعام: ۱۰۴

اُس کو ہر ایک نظر اور فکر کی حدود معلوم ہیں۔ کیا جس نے یہ کہا کہ نَحْنُ
اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ الجزو ۲۶۔ کہ میں انسان سے
ایسا نزدیک ہوں کہ ایسی اس کی رگِ جان بھی نہیں۔ کیا جس نے یہ فرمایا کہ
وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا۔ الجزو نمبر ۵ کہ خدا وہ ہے جو
ہر ایک چیز پر احاطہ کر رہا ہے۔ کیا ایسی پاک اور کامل کی نسبت کوئی عقلمند شبہ
کر سکتا ہے کہ اس نے خدا کو جسم اور جسمانی ٹھہرا کر بزمرۂ عالمین داخل کر دیا ہے

صفاتِ باریتعالیٰ

یہ دلائل وجودِ باری ہیں جو ہم نے بطور نمونہ کے لکھ دیئے ہیں۔ بعد اس کے یہ بھی جاننا چاہیئے کہ جس خدا کی طرف ہمیں قرآن شریف نے بلایا ہے اس کی اس نے یہ صفات لکھی ہیں:۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ[1] مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ[2] اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ[3] هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ[4] عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ[5] رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ[6] اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ[7] اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ[8] قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ[9]

یعنی وہ خدا جو واحد لاشریک ہے جس کے سوا کوئی بھی پرستش اور فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ اگر وہ لاشریک نہ ہو تو شاید اس کی طاقت پر دشمن کی طاقت غالب آجائے۔ اس صورت میں خدائی معرضِ خطرہ میں رہے گی۔ اور یہ جو فرمایا۔ کہ اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ ایسا کامل خدا ہے جس کی صفات اور خوبیاں اور کمالات ایسے اعلیٰ اور بلند ہیں کہ اگر موجودات میں سے بوجہ صفاتِ کاملہ کے ایک خدا انتخاب کرنا چاہیں یا دل میں عمدہ سے عمدہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ خدا کی صفات فرض کریں تو وہ سب سے اعلیٰ جس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ نہیں ہو سکتا۔ وہی خدا ہے جس کی پرستش میں ادنیٰ کو شریک کرنا ظلم ہے۔ پھر فرمایا کہ عالم الغیب ہے یعنی اپنی ذات کو آپ ہی جانتا ہے

[1] الحشر: ۲۳ [2] الفاتحة: ۴ [3] الحشر: ۲۴ [4] الحشر: ۲۵ [5] البقرة: ۲۱ [6] الفاتحة: ۲ تا ۴ [7] البقرة: ۱۸۷ [8] البقرة: ۲۵۶ [9] الاخلاص: ۲ تا ۵

اس کی ذات پر کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ ہم آفتاب اور ماہتاب اور ہر ایک مخلوق کا سراپا دیکھ سکتے ہیں مگر خدا کا سراپا دیکھنے سے قاصر ہیں۔ پھر فرمایا کہ وہ عالم الشہادۃ ہے یعنی کوئی چیز اس کی نظر سے پردہ میں نہیں ہے۔ یہ جائز نہیں کہ وہ خدا کہلا کر پھر علم اشیاء سے غافل ہو۔ وہ اس عالم کے ذرہ ذرہ پر اپنی نظر رکھتا ہے لیکن انسان نہیں رکھ سکتا ۔ وہ جانتا ہے کہ کب اس نظام کو توڑ دے گا۔ اور قیامت برپا کر دے گا۔ اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ایسا کب ہوگا؟ سو وہی خدا ہے جو ان تمام وقتوں کو جانتا ہے۔ پھر فرمایا هُوَ الرَّحْمٰنُ یعنی وہ جانداروں کی ہستی اور ان کے اعمال سے پہلے محض اپنے لُطف سے نہ کسی غرض سے اور نہ کسی عمل کے پاداش میں اُن کے لئے سامانِ راحت میسّر کرتا ہے۔ جیسا کہ آفتاب اور زمین اور دوسری تمام چیزوں کو ہمارے وجود اور ہمارے اعمال کے وجود سے پہلے ہمارے لئے بنا دیا۔ اس عطیہ کا نام خدا کی کتاب میں رحمانیت ہے۔ اور اس کام کے لحاظ سے خدا تعالیٰ رحمٰن کہلاتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ اَلرَّحِيْمُ یعنی وہ خدا نیک عملوں کی نیک تر جزا دیتا ہے اور کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا اور اس کام کے لحاظ سے رحیم کہلاتا ہے۔ اور یہ صفت رحیمیت کے نام سے موسوم ہے۔ اور پھر فرمایا مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ یعنی وہ خدا ہر ایک کی جزا اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ اس کا کوئی ایسا کارپرداز نہیں جس کو اس نے زمین و آسمان کی حکومت سونپ دی ہو اور آپ الگ ہو بیٹھا ہو اور آپ کچھ نہ کرتا ہو۔ وہی کارپرداز سب کچھ جزا سزا دیتا ہو یا آئندہ دینے والا ہو۔ اور پھر فرمایا اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ یعنی وہ خدا بادشاہ ہے جس پر کوئی داغ عیب نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ انسانی بادشاہت عیب سے خالی نہیں۔ اگر مثلاً تمام رعیت جلاوطن ہو کر دوسرے ملک کی طرف بھاگ جاوے تو پھر بادشاہی قائم نہیں رہ سکتی یا اگر مثلاً تمام رعیت قحط زدہ ہو جائے تو پھر خراجِ شاہی کہاں سے آئے اور اگر رعیت کے لوگ اس سے بحث شروع کر دیں کہ تجھ میں ہم سے زیادہ کیا ہے تو وہ کونسی لیاقت اپنی ثابت کرے۔ پس خدا تعالیٰ کی بادشاہی ایسی نہیں ہے۔ وہ ایک دم میں تمام ملک کو فنا کر کے

اور مخلوقات پیدا کر سکتا ہے۔ اگر وہ ایسا خالق اور قادر نہ ہوتا تو پھر بجز ظلم کے اس کی بادشاہت چل نہ سکتی۔ کیونکہ وہ دنیا کو ایک مرتبہ معافی اور نجات دے کر پھر دوسری دنیا کہاں سے لاتا۔ کیا نجات یافتہ لوگوں کو دنیا میں بھیجنے کے لئے پھر پکڑتا اور ظلم کی راہ سے اپنی معافی اور نجات دہی کو واپس لیتا تو اس صورت میں اس کی خدائی میں فرق آتا۔ اور دنیا کے بادشاہوں کی طرح داغدار بادشاہ ہوتا جو دنیا کے لئے قانون بناتے ہیں۔ بات بات پر بگڑتے ہیں اور اپنی خودغرضی کے وقتوں پر جب دیکھتے ہیں کہ ظلم کے بغیر چارہ نہیں تو ظلم کو شیرِ مادر سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً قانونِ شاہی جائز رکھتا ہے کہ ایک جہاز کو بچانے کے لئے ایک کشتی کے سواروں کو تباہی میں ڈال دیا جائے اور ہلاک کیا جائے مگر خدا کو تو یہ اضطرار پیش نہیں آنا چاہیئے۔ پس اگر خدا پُورا قادر اور عدم سے پیدا کرنے والا نہ ہوتا تو وہ یا تو کمزور راجوں کی طرح قدرت کی جگہ ظُلم سے کام لیتا اور یا عادل بن کر خدائی کو ہی الوداع کہتا۔ بلکہ خدا کا جہاز تمام قدرتوں کے ساتھ سچے انصاف پر چل رہا ہے۔ پھر فرمایا اَلسَّلَامُ یعنی وہ خدا جو تمام عیبوں اور مصائب اور سختیوں سے محفوظ ہے بلکہ سلامتی دینے والا ہے۔ اس کے معنے بھی ظاہر ہیں کیونکہ اگر وہ آپ ہی مصیبتوں میں پڑتا۔ لوگوں کے ہاتھ سے مارا جاتا اور اپنے ارادوں میں ناکام رہتا تو اس بدنمونہ کو دیکھ کر کس طرح دل تسلّی پکڑتے کہ ایسا خدا ہمیں ضرور مصیبتوں سے چھڑا دے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ باطل معبودوں کے بارہ میں فرماتا ہے:-

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِاجْتَمَعُوْا لَہٗ ؕ وَاِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۞ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ [1]

جن لوگوں کو تم خدا بنائے بیٹھے ہو وہ تو ایسے ہیں کہ اگر سب مل کر ایک مکّھی پیدا کرنا

[1] الحج: ۷۴-۷۵

چاہیں تو کبھی پیدا نہ کر سکیں اگرچہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں۔ بلکہ اگر مکّھی ان کی چیز چھین کر لے جائے تو انہیں طاقت نہیں ہوگی کہ وہ مکّھی سے چیز واپس لے سکیں۔ ان کے پرستار عقل کے کمزور اور وہ طاقت کے کمزور ہیں۔ کیا خدا ایسے ہوا کرتے ہیں؟ خدا تو وہ ہے کہ سب قوتوں والوں سے زیادہ قوت والا اور سب پر غالب آنے والا ہے۔ نہ اس کو کوئی پکڑ سکے اور نہ مار سکے۔ ایسی غلطیوں میں جو لوگ پڑتے ہیں وہ خدا کی قدر نہیں پہچانتے۔ اور نہیں جانتے۔ خدا کیسا ہونا چاہیئے۔ اور پھر فرمایا کہ خدا امن کا بخشنے والا اور اپنے کمالات اور توحید پر دلائل قائم کرنے والا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچے خدا کا ماننے والا کسی مجلس میں شرمندہ نہیں ہو سکتا اور نہ خدا کے سامنے شرمندہ ہوگا کیونکہ اس کے پاس زبردست دلائل ہوتے ہیں۔ لیکن بناوٹی خدا کا ماننے والا بڑی مصیبت میں ہوتا ہے۔ وہ بجائے دلائل بیان کرنے کے ہر ایک بیہودہ بات کو راز میں داخل کرتا ہے تا ہنسی نہ ہو۔ اور ثابت شدہ غلطیوں کو چھپانا چاہتا ہے۔

اور پھر فرمایا کہ اَلْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ یعنی وہ سب کا محافظ ہے اور سب پر غالب اور بگڑے ہوئے کا بنانیوالا ہے۔ اور اس کی ذات نہایت ہی مستغنی ہے۔ اور فرمایا۔ ھُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی۔ یعنی وہ ایسا خدا ہے کہ جسموں کا پیدا کرنے والا اور رُوحوں کا بھی پیدا کرنے والا۔ رحم میں تصویر کھینچنے والا ہے۔ تمام نیک نام جہاں تک خیال آسکیں۔ سب اسی کے نام ہیں۔ اور پھر فرمایا۔ یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ یعنی آسمان کے لوگ بھی اس کے نام کو پاکی سے یاد کرتے ہیں اور زمین کے لوگ بھی۔ اس آیت میں اشارہ فرمایا کہ آسمانی اجرام میں آبادی ہے اور وہ لوگ بھی پابند خدا کی ہدایتوں کے ہیں۔ اور پھر فرمایا عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنی خدا بڑا قادر ہے۔ یہ پرستاروں کے لئے تسلّی ہے۔ کیونکہ اگر خدا عاجز ہو اور قادر نہ ہو تو ایسے خدا سے کیا امید رکھیں۔ اور پھر فرمایا۔ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ یعنی وہی خدا ہے جو تمام عالموں کا پرورش کرنے والا۔ رحمٰن رحیم اور جزا کے دن کا آپ مالک ہے۔ اس اختیار کو کسی کے ہاتھ میں نہیں دیا۔ ہر ایک پکارنے والے کی پکار کو سننے والا اور جواب دینے والا یعنی دعاؤں کا قبول کرنے والا۔ اور پھر فرمایا۔ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ یعنی ہمیشہ رہنے والا اور تمام جانوں کی جان اور سب کے وجود کا سہارا۔ یہ اس لئے کہا کہ وہ ازلی ابدی نہ ہو تو اس کی زندگی کے بارے میں بھی دھڑکا رہے گا کہ شاید ہم سے پہلے فوت نہ ہو جائے۔ اور پھر فرمایا کہ وہ خدا اکیلا خدا ہے نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی اس کا بیٹا۔ اور نہ کوئی اس کے برابر اور نہ کوئی اس کا ہم جنس۔

اور یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید کو صحیح طور پر ماننا اور اس میں زیادت یا کمی نہ کرنا۔ یہ وہ عدل ہے جو انسان اپنے مالکِ حقیقی کے حق میں بجا لاتا ہے۔ یہ تمام حصہ اخلاقی تعلیم کا ہے جو قرآن شریف کی تعلیم میں سے درج ہوا۔ اس میں اصول یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام اخلاق کو افراط اور تفریط سے بچایا ہے۔ اور ہر ایک خُلق کو اس حالت میں خُلق کے نام سے موسوم کیا ہے۔ کہ جب اپنی واقعی اور واجب حد سے کم و بیش نہ ہو۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نیکی حقیقی وہی چیز ہے جو دو حدوں کے وسط میں ہوتی ہے یعنی زیادتی اور کمی یا افراط اور تفریط کے درمیان ہوتی ہے۔ ہر ایک عادت جو وسط کی طرف کھینچے اور وسط پر قائم کرے وہی خُلقِ فاضل کو پیدا کرتی ہے۔ محل اور موقعہ کا پہچاننا ایک وسط ہے۔ مثلاً اگر زمیندار اپنا تخم وقت سے پہلے بو دے یا وقت کے بعد۔ دونوں صورتوں میں وہ وسط کو چھوڑتا ہے۔ نیکی اور حق اور حکمت سب وسط میں ہے اور وسط موقع بینی میں۔ یا یوں سمجھ لو کہ حق وہ چیز ہے کہ ہمیشہ دو متقابل باطلوں کے وسط میں ہوتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ عین موقع کا التزام ہمیشہ انسان کو وسط میں رکھتا ہے اور خدا شناسی کے بارے میں وسط کی شناخت یہ ہے کہ خدا کی صفات بیان کرنے میں نہ تو نفی صفات کے پہلو کی طرف جھک جائے اور نہ خدا کو جسمانی چیزوں کا مشابہ قرار دے۔ یہی طریق قرآن شریف

نے صفاتِ باری تعالیٰ میں اختیار کیا ہے چنانچہ وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ خدا دیکھتا، سنتا، جانتا، بولتا، کلام کرتا ہے۔ اور پھر مخلوق کی مشابہت سے بچانے کے لئے یہ بھی فرماتا ہے:۔

لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۔ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۔

یعنی خدا کی ذات اور صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس کے لئے مخلوق سے مثالیں مت دو۔ سو خدا کی ذات کو تشبیہ اور تنزیہ کے بین بین رکھنا یہی وسط ہے۔ غرض اسلام کی تعلیم تمام میانہ روی کی تعلیم ہے۔ سورۂ فاتحہ بھی میانہ روی کی ہدایت فرماتی ہے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۔ مغضوب علیہم سے وہ لوگ مراد ہیں جو خدا تعالیٰ کے مقابل پر قوت غضبی کو استعمال کر کے قوی سبعیہ کی پیروی کرتے ہیں اور ضالّین سے وہ مراد ہیں جو قوی بہیمہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اور میانہ طریق وہ ہے جس کو لفظ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ سے یاد فرمایا ہے۔ غرض اس مبارک امت کے لئے قرآن شریف میں وسط کی ہدایت ہے توریت میں خدا تعالیٰ نے انتقامی امور پر زور دیا تھا اور انجیل میں عفو اور درگذر پر زور دیا تھا اور اس امت کو موقعہ شناسی اور وسط کی تعلیم ملی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ۔

یعنی ہم نے تم کو وسط پر عمل کرنے والے بنایا اور وسط کی تعلیم تمہیں دی۔ سو مبارک وہ جو وسط پر چلتے ہیں۔ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا۔

(۱) ربوبیّت اپنے فیضان کے لئے عدم محض یا مشابہ بالعدم کو چاہتی ہے۔ اور تمام انواع مخلوق کی جاندار ہوں یا غیر جاندار اسی سے پیرایۂ وجود پہنتے ہیں۔

(۲) رحمانیّت اپنے فیضان کے لئے صرف عدم کو ہی چاہتی ہے۔ یعنی اُس عدمِ محض کو جس کے وقت میں وجود کا کوئی اثر اور ظہور نہ ہو۔ اور صرف جانداروں سے تعلق رکھتی ہے اور چیزوں سے نہیں۔

(۳) رحیمیّت اپنے فیضان کے لئے موجود ذوالعقل کے مونہہ سے نیستی اور عدم کا اقرار چاہتی ہے۔ اور صرف نوعِ انسان سے تعلق رکھتی ہے۔

(۴) مالکیّت یوم الدّین اپنے فیضان کے لئے فقیرانہ تضرّع اور الحاح کو چاہتی ہے اور صرف اُن انسانوں سے تعلق رکھتی ہے جو گداؤں کی طرح حضرت احدیّت کے آستانہ پر گرتے ہیں اور فیض پانے کے لئے دامنِ افلاس پھیلاتے ہیں اور سچ مچ اپنے تئیں تہیدست پاکر خداتعالیٰ کی مالکیت پر ایمان لاتے ہیں۔

یہ چار الٰہی صفتیں ہیں جو دنیا میں کام کر رہی ہیں اور ان میں سے جو رحیمیت کی صفت ہے وہ دُعا کی تحریک کرتی ہے۔ اور مالکیت کی صفت خوف اور قلق کی آگ سے گداز کر کے سچا خشوع اور خضوع پیدا کرتی ہے۔ کیونکہ اس صفت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خداتعالیٰ مالک جزا ہے کسی کا حق نہیں جو دعوے سے کچھ طلب کرے۔ اور مغفرت اور نجات محض فضل پر ہے۔

اب خلاصۂ کلام یہ کہ خداتعالیٰ کی یہ چار صفتیں ہیں جو قرآنی تعلیم اور تحقیق عقل سے ثابت ہوتی ہیں۔ اور منجملہ ان کے رحیمیت کی صفت ہے جو تقاضا کرتی ہے کہ کوئی انسان دُعا کرے تا اس دُعا پر فیوضِ الٰہی نازل ہوں۔ ہم نے براہین احمدیہ اور کرامات الصادقین میں بھی یہ ذکر لکھا ہے کہ کیونکر یہ چاروں صفتیں لفّ و نشر مرتب کے طور پر سورۂ فاتحہ میں بیان کی گئی ہیں اور کیونکر صحیفۂ فطرت پر نظر ڈال کر ثابت ہوتا ہے کہ اِسی ترتیب سے جو سورۂ فاتحہ میں ہے یہ چاروں صفتیں خدا کی فعلی کتاب قانونِ قدرت میں پائی جاتی ہیں۔

اس کو بے سود سمجھنا یا جذبِ فیوض کے لئے اس کو ایک محرک قرار نہ دینا گویا خداتعالیٰ کی تیسری صفت سے جو رحیمیت ہے انکار کرنا ہے۔ مگر یہ انکار در پردہ دہریت کی طرف ایک حرکت ہے کیونکہ رحیمیت ہی ایک ایسی صفت ہے جس کے ذریعہ سے باقی تمام صفات پر یقین بڑھتا اور کمال تک پہنچتا ہے۔ وجہ یہ کہ جب ہم خداتعالیٰ کی رحیمیّت کے ذریعے سے اپنی دعاؤں اور تضرّعات پر الٰہی فیضوں کو پاتے ہیں اور ہر ایک قسم کی مشکلات حل ہوتی ہیں تو ہمارا ایمان خداتعالیٰ کی ہستی اور اس کی قدرت اور رحمت اور دوسری صفات کی نسبت بھی حق الیقین تک پہنچتا ہے اور ہمیں چشم دید ماجرا کی طرح سمجھ آجاتا ہے کہ خداتعالیٰ درحقیقت حمد اور شکر کا مستحق ہے اور درحقیقت اس کی ربوبیت اور رحمانیت اور دوسری صفات سب درست اور صحیح ہیں۔ لیکن بغیر رحیمیّت کے ثبوت کے دوسری صفات بھی مشتبہ رہتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ امر مقدّم اور ایک بھاری مرحلہ جو ہمیں طے کرنا چاہیئے وہ خداشناسی ہے، اور اگر ہماری خداشناسی ہی ناقص اور مشتبہ اور دُھندلی ہو تو ہمارا ایمان ہرگز منوّر اور چمکیلا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ خداشناسی جب تک کہ رحیمیّت کی صفت کے ذریعہ سے ہمارا چشم دید واقعہ نہ بن جائے تب تک ہم کسی طرح سے اپنے ربّ کریم کی حقیقی معرفت کے چشمہ سے آبِ زلال نہیں پی سکتے۔ اگر ہم اپنے تئیں دھوکا نہ دیں تو ہمیں اقرار کرنا پڑے گا کہ ہم تکمیل معرفت کیلئے اس بات کے محتاج ہیں کہ خداتعالیٰ کی صفتِ رحیمیت کے ذریعہ سے تمام شکوک و شبہات ہمارے دُور ہو جائیں اور خداتعالیٰ کی رحمت اور فضل اور قدرت کی صفات تجربہ میں آکر ہمارے دل پر ایسا قوی اثر پڑے کہ ہمیں اُن نفسانی جذبات سے چھوڑائے جو محض کمزوریٔ ایمان اور یقین کی وجہ سے ہمارے پر غالب آتے اور دوسری طرف رُخ کر دیتے ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ انسان اس چند روزہ دنیا میں آکر بوجہ اس کے کہ خداشناسی کی پُرزور کرنیں اُس کے دل پر نہیں پڑتیں ایک خوفناک تاریکی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جسقدر دُنیا اور دنیا کی املاک اور دُنیا کی ریاستیں اور حکومتیں اور دولتیں اس کو پیاری معلوم ہوتی ہیں،

۔ اور اس سورۃ میں ہدایت پانے کے لئے ایک دُعا سکھلائی گئی ہے تا معلوم ہو کہ فیوض ربّانی حاصل کرنے کے لئے دُعا کرنا ضروری ہے اور اس سورۃ کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے شروع کیا گیا ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ ہر ایک حمد اور تعریف اس ذات کے لئے مسلّم ہے جس کا نام اللہ ہے اور اس فقرہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے اس لئے شروع کیا گیا کہ اصل مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت رُوح کے جوش اور طبیعت کی کشش سے ہو اور ایسی کشش جو عشق اور محبت سے بھری ہوئی ہو ہرگز کسی کی نسبت پیدا نہیں ہو سکتی جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ وہ شخص ایسی کامل خوبیوں کا جامع ہے جن کے ملاحظہ سے بے اختیار دل تعریف کرنے لگتا ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ کامل تعریف دو قسم کی خوبیوں کیلئے ہوتی ہے۔ ایک کمال حُسن اور ایک کمال احسان اور اگر کسی میں دونوں خوبیاں جمع ہوں تو پھر اس کیلئے دل فدا اور شیدا ہو جاتا ہے۔ اور قرآن شریف کا بڑا مطلب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دونوں قسم کی خوبیاں حق کے طالبوں پر ظاہر کرے تا اس بے مثل و مانند ذات کی طرف لوگ کھینچے جائیں اور رُوح کے جوش اور کشش سے اس کی بندگی کریں۔ اس لئے پہلی سورۃ میں ہی یہ نہایت لطیف نقشہ دکھلانا چاہا ہے کہ وہ خدا جس کی طرف قرآن بُلاتا ہے وہ کیسی خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے۔ سو اسی غرض سے اس سورۃ کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے شروع کیا گیا جس کے یہ معنے ہیں کہ سب تعریفیں اس کی ذات کیلئے لائق ہیں جس کا نام اللہ ہے۔ اور قرآن کی اصطلاح کی رُو سے اللہ اُس ذات کا نام ہے جس کی تمام خوبیاں حُسن و احسان کے کمال کے نقطہ پر پہنچی ہوئی ہوں اور کوئی منقصت اس کی ذات میں نہ ہو۔ قرآن شریف میں تمام صفات کا موصوف صرف اللہ کے اسم کو ہی ٹھہرایا ہے تا اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ اللہ کا اسم تب متحقق ہوتا ہے کہ جب تمام صفات کاملہ اس میں پائی جائیں پس جبکہ ہر ایک قسم کی خوبی اُس میں پائی گئی تو حسن اس کا ظاہر ہے۔ اِسی حُسن کے لحاظ سے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا نام نور ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[1] یعنی اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے۔ ہر ایک نُور اُسی کے نُور کا پرتوہ ہے۔

[1] النور: ۳۶

۱۔ اور رحیمیت کو جو انسان کی دُعا کو چاہتی ہے خاص انسان کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ میں ایک قسم کا وہ فیض ہے جو دُعا کرنے سے وابستہ ہے اور بغیر دُعا کے کسی طرح مِل نہیں سکتا۔ یہ سنّت اللہ اور قانونِ الٰہی ہے جس میں تخلّف جائز نہیں یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی اُمّتوں کے لئے ہمیشہ دُعا مانگتے رہے۔ توریت میں دیکھو کہ کتنی دفعہ بنی اسرائیل خدا تعالیٰ کو ناراض کر کے عذاب کے قریب پہنچ گئے اور پھر کیونکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا اور تضرع اور سجدہ سے وہ عذاب ٹل گیا۔ حالانکہ بار بار وعدہ بھی ہوتا رہا کہ میں ان کو ہلاک کرونگا۔

اب اِن تمام واقعات سے ظاہر ہے کہ دُعا محض لغو امر نہیں ہے۔ اور نہ صرف ایسی عبادت جس پر کسی قسم کا فیض نازل نہیں ہوتا۔ یہ ان لوگوں کے خیال ہیں جو خدا تعالیٰ کا وہ قدر نہیں کرتے جو حق قدر کرنے کا ہے اور نہ خدا کی کلام کو نظر عمیق سے سوچتے ہیں اور نہ قانونِ قدرت پر نظر ڈالتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ دُعا پر ضرور فیض نازل ہوتا ہے جو ہمیں نجات بخشتا ہے۔ اِسی کا نام فیض رحیمیّت ہے جس سے انسان ترقی کرتا جاتا ہے۔ اِسی فیض سے انسان ولایت کے مقامات تک پہنچتا ہے اور خدا تعالیٰ پر ایسا یقین لاتا ہے کہ گویا آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔ مسئلہ شفاعت بھی صفت رحیمیّت کی بناء پر ہے۔ خدا تعالیٰ کی رحیمیّت نے ہی تقاضا کیا کہ اچھے آدمی بُرے آدمیوں کی شفاعت کریں۔

چوتھا احسان خدا تعالیٰ کا جو قسم چہارم کی خوبی ہے جس کو فیضان اخصّ سے موسوم کر سکتے ہیں مالکیّت یوم الدّین ہے جس کو سورۂ فاتحہ میں فقرہ مالک یوم الدّین میں بیان فرمایا گیا ہے اور اس میں اور صفت رحیمیّت میں یہ فرق ہے کہ رحیمیت میں دُعا اور عبادت کے ذریعہ سے کامیابی کا استحقاق قائم ہوتا ہے اور صفت مالکیت یوم الدّین کے ذریعہ سے وہ ثمرہ عطا کیا جاتا ہے۔

ایسا ہی عیسائی عقیدہ کی رُو سے خدا تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے۔ کیونکہ جس حالت میں حضرت عیسیٰ کو خدا قرار دیا گیا ہے اور وہ خود اقرار کرتے ہیں کہ مَیں جو خدا کا بیٹا ہوں۔ مجھے قیامت کا علم نہیں۔ پس اس سے بجز اس کے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ خدا کو قیامت کا علم نہیں کہ کب آئیگی۔

پھر دوسری شاخ معرفت صحیحہ کی خدا تعالیٰ کی کامل قدرت کا شناخت کرنا ہے۔ لیکن اس شاخ میں بھی آریہ سماج والے اور حضرات پادریان اپنے خدا پر داغ لگا رہے ہیں۔

آریہ سماج والے اس طرح سے کہ وہ اپنے پرمیشر کو رُوحوں اور ذرات عالم کے پیدا کرنے پر قادر ہی نہیں جانتے اور نہ اس بات پر قادر سمجھتے ہیں کہ اُن کا پرمیشر کسی رُوح کو جاودانی مکتی دے سکے✠۔ ایسا ہی حضرات پادری صاحبان بھی اپنے خدا کو قادر نہیں سمجھتے۔

✠ شکر کا مقام ہے کہ ہمارا خدا ہمیشہ اپنی قدرت کے نمونے ہمیں دکھاتا ہے تا ہمیشہ ہمارا ایمان تازہ ہو جیسا کہ اُس نے ۴؍اپریل ۱۹۰۵ء کے زلزلہ سے پہلے چار دفعہ متفرق زمانوں میں مجھے اپنی وحی کے ذریعہ سے اطلاع دی کہ پنجاب میں ایک سخت زلزلہ آنے والا ہے۔ سو وہ شدید زلزلہ ۴؍اپریل ۱۹۰۵ء کو منگل کی صبح کو آ گیا اور وہ موسم بہار تھا۔ اور پھر اس خدائے قادر نے مجھے اطلاع دی کہ پھر موسم بہار میں شدید زلزلے آنے والے ہیں۔ سو ۲۸؍فروری ۱۹۰۶ء کو عین موسم بہار میں ایک شدید زلزلہ آیا۔ چنانچہ کوہ منصوری میں اس قدر اس کا صدمہ محسوس ہوا کہ لوگ بے حواس ہو گئے۔ اور انہی ایام میں امریکہ کے بعض حصوں میں بھی ایک شدید زلزلہ آیا جس سے کئی شہر ہلاک ہو گئے۔ پس خدا درحقیقت وہی خدا ہے جو اب بھی اپنی وحی کے ذریعہ سے اپنی زندہ قدرتیں ہم پر ظاہر کرتا ہے۔ اور ایسی ہزارہا پیشگوئیاں ہیں جو خدا کی وحی کے مطابق جو مجھ پر ہوئی ظہور میں آئیں۔ منہ

استوا کا ذکر ہے جو عرش پر ہوا۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ جلّشانہٗ فرماتا ہے۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ[1]

یعنے تمہارا خدا وہ خدا ہے جس نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور پھر عرش پر قرار پکڑا یعنی اوّل اُس نے اِس دُنیا کے تمام اجرام سماوی اور ارضی کو پیدا کیا اور چھ دن میں سب کو بنایا (چھ دن سے مُراد ایک بڑا زمانہ ہے) اور پھر عرش پر قرار پکڑا یعنے تنزّہ کے مقام کو اختیار کیا۔ یاد رہے کہ استوا کے لفظ کا جب علیٰ صلہ آتا ہے تو اُس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ایک چیز کا اس مکان پر قرار پکڑنا جو اُسکے مناسب حال ہو جیسا کہ قرآن شریف میں بھی آیت ہے

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ[2]

یعنی نوح کی کشتی نے طوفان کے بعد ایسی جگہ پر قرار پکڑا جو اُس کے مناسب حال تھا یعنی اس جگہ زمین پر اُترنے کے لئے بہت آسانی تھی سو اسی لحاظ سے خدا تعالیٰ کیلئے استوا کا لفظ اختیار کیا یعنی خدا نے ایسی وراء الوراء جگہ پر قرار پکڑا جو اُسکی تنزّہ اور تقدس کے مناسب حال تھی چونکہ تنزّہ اور تقدس کا مقام ماسوی اللہ کے فنا کو چاہتا ہے سو یہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسے خدا بعض اوقات اپنی خالقیت کے اسم کے تقاضا سے مخلوقات کو پیدا کرتا ہے پھر دوسری مرتبہ اپنی تنزّہ اور وحدت ذاتی کے تقاضا سے اُن سب کا نقش ہستی مٹا دیتا ہے۔ غرض عرش پر قرار پکڑنا مقام تنزّہ کی طرف اشارہ ہے تا ایسا نہ ہو کہ خدا اور مخلوق کو باہم مخلوط سمجھا جائے۔ پس کہاں سے معلوم ہوا کہ خدا عرش پر یعنی اُس وراء الوراء مقام پر مقید کی طرح ہے اور محدود ہے۔ قرآن شریف میں تو جا بجا بیان فرمایا گیا ہے کہ خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ[3] یعنی جہاں کہیں تم ہو اسی جگہ خدا تمہارے ساتھ ہے۔ اسی طرح قرآن شریف میں فرمایا ہے هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ[4] یعنی خدا سب سے پہلے ہی اور باوجود پہلے ہونے کے پھر سب سے آخر ہے اور

[1] الاعراف: ۵۵ [2] ھود: ۴۵ [3] الحدید: ۵ [4] الحدید: ۴

وُہ سب سے زیادہ ظاہر اور پھر باوجود سب سے زیادہ ظاہر ہونے کے سب سے پوشیدہ ہے۔ اور پھر فرمایا اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[1] یعنی خدا ہر ایک چیز کا نور ہے۔ اُسی کی چمک ہر ایک چیز میں ہے خواہ وُہ چیز آسمان میں ہے اور خواہ وُہ زمین میں۔ اور پھر فرمایا کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا[2] یعنی خدا ہر ایک چیز پر احاطہ کرنیوالا ہے اور پھر فرمایا وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ[3] یعنی ہم انسان کی رگِ جان سے بھی اُس سے نزدیک تر ہیں۔ اور پھر فرمایا اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ[4] یعنی وُہی خدا ہے اُس کے سوا کوئی نہیں وُہی ہر ایک جان کی جان اور ہر ایک وجود کا سہارا ہے۔ اِس آیت کے لفظی معنے یہ ہیں کہ زندہ وُہی خدا ہے اور قائم بالذّات وُہی خدا ہے بس جبکہ وُہی ایک زندہ ہے اور وہی ایک قائم بالذّات ہے تو اِس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر ایک شخص جو اسکے سوا زندہ نظر آتا ہے وُہ اُسی کی زندگی سے زندہ ہے اور ہر ایک جو زمین یا آسمان میں قائم ہے وہ اُسی کی ذات سے قائم ہے۔ اور پھر فرمایا ھُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰہٌ[5] یعنی وُہی خدا زمین میں ہے اور وُہی خدا آسمان میں۔ اور پھر فرمایا مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ وَلَا خَمْسَۃٍ اِلَّا ھُوَ سَادِسُھُمْ الخ[6] یعنی جب تین آدمی کوئی پوشیدہ باتیں کرتے ہیں تو چوتھا اُن کا خُدا ہوتا ہے۔ اور جب پانچ کرتے ہیں تو چھٹا اُن کا خدا ہوتا ہے۔ ایسا ہی بہت سی اور آیات میں بار بار فرمایا گیا ہے کہ خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے یہانتک کہ وہ ہر ایک جان کی بھی جان ہے۔ لہٰذا ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ اگر خدا تعالےٰ اسی ایک پہلو تک معرفت الٰہی کے مسئلہ کو ختم کرتا کہ خدا مخلوق سے الگ نہیں تو ہندوؤں کی طرح پر مسلمانوں میں بھی مخلوق پرستی شروع ہو جاتی۔ کیونکہ اس صُورت میں خدا میں اور مخلوق میں کوئی مابہ الامتیاز باقی نہ رہتا۔

ص ۱۱۲

[1] النور: ۳۶ [2] النسآء: ۱۲۷ [3] قٓ: ۱۷ [4] البقرۃ: ۲۵۶ [5] الزخرف: ۸۵
[6] المجادلۃ: ۸

غرض اے بھائیو! اِس زمانہ میں وہ زہرناک ہوا اندرونی اور بیرونی طور پر پھیلی ہوئی ہے کہ جس کا استیصال انسان کے اختیار میں نہیں بلکہ اُس خدائے حیّ و قیّوم قادرِ مطلق کے اختیار میں ہے جو موسموں کو بدلتا اور وقتوں کو پھیرتا اور خشک سالی کے بعد بارانِ رحمت نازل کرتا ہے اور جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ گرمی کی شدّت آخر بارش کو کھینچ لاتی ہے اِس طرح پر کہ جب گرمی کمال کو پہنچتی ہے اور اُس درجہ کے قریب اپنا قدم رکھنے لگتی ہے کہ جس سے قریب ہے کہ بنی آدم ہلاک ہو جائیں تب اُس صانعِ قدیم کی حکمتِ کاملہ سے اُس گرمی کا ایک تیز اثر سمندروں میں پڑتا ہے اور بوجہ شدّت اُس گرمی کے سمندروں میں سے بخارات اُٹھتے ہیں تب سمندروں کی ہوا جو کہ سرد اور بھاری اور امساک کی قوّت اپنے اندر رکھتی ہے اُن بخارات کو اپنے میں جذب کر کے ایک حاملہ عورت کی طرح اُن سے بھر جاتی ہے اور قُرب و جوار کی ہوائیں قدرتی طور پر متحرک ہو کر اُس کو دھکیلتی اور حرکت میں لاتی ہیں اور خود واسطہ بن کر اس بات کیلئے موجب ٹھہرتی ہیں کہ تا وہ ہوا بادلوں کی صورت میں ہو کر اپنے تئیں طبعاً اُسی زمین کی طرف لاوے جہاں کی ہوا اُس کی نسبت زیادہ گرم اور لطیف اور کم وزن اور کم مزاحم ہو تب اُسی قدر کے موافق بارش ہوتی ہے کہ جس قدر گرمی ہوتی ہے۔ یہی صورت اُس رُوحانی بارش کی بھی ہے جو ظاہری بارش کی طرح قدیم سے اپنے موسموں پر برستی چلی آئی ہے یعنی اِس طرح پر کہ خشک سالی کے ایام میں جبکہ خشک سالی اپنے کمال اور انتہا کو پہنچ جاتی ہے یکدفعہ مستعد دلوں کی گرمی اور طلب اور خواہش کی حرارت نہایت جوش میں آجاتی ہے تب وہ گرمی رحمت کے دریا تک جو ایک سمندر ناپید اکنار ہے اپنے التہاب اور سوز کو پہنچا دیتی ہے تب دریائے رحمت اسکے تدارک کیلئے توجہ فرماتا ہے اور فیضِ بے علّت کے نورانی بخارات نکلنے شروع ہو جاتے ہیں تب وہ مُقرّب فرشتے جو اپنے نفس کی جنبش اور جوش سے سرد پڑے ہوئے اور نہایت لطیف اور یَفْعَلُوْنَ

مَا یُؤْمَرُوْنَ کا مصداق ہیں اُن فیوض کو قبول کر لیتے ہیں پھر اُن فرشتوں سے تعلق رکھنے والی طبیعتیں جو انبیاء اور رسل اور محدثین ہیں اپنے حقانی جوشوں سے اُن کو حرکت میں لاتے ہیں اور خود واسطہ بن کر ایسے محلّ مناسب پر برسا دیتے ہیں جو استعداد اور طلب کی گرمی اپنے اندر رکھتا ہے یہ صورت ہمیشہ اس عالم میں بوقتِ ضرورت ہوتی ہی رہتی ہے ہاں اُس بھاری برسات کے بعد جو عہدِ مقدسِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو چکی ہے بڑی بڑی بارشوں کی ضرورت نہیں رہی! اور وہ مصفّا پانی اب تک ضائع بھی نہیں ہوا مگر چھوٹی چھوٹی بارشوں کی ضرورت ہے تا زمین کی عام سرسبزی میں فرق نہ آجائے سو جس وقت خداوندِ حکیم و قدیر دیکھتا ہے کہ زمین پر خشکی غالب آگئی ہے اور اُسکے باغ کے پودے مرجھائے جاتے ہیں تب ضرور بارش کا سامان پیدا کر دیتا ہے یہ قدیم قانونِ قدرت ہے جس میں تم فرق نہیں پاؤ گے۔ اسی کے موافق ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ ان دنوں میں بھی اپنے عاجز بندوں پر رحم فرماتا۔ زمانہ کی حالت کو دیکھو اور آپ ہی ایمانًا گواہی دو۔ کیا یہ وقت وہی وقت نہیں ہے جس میں الٰہی مددوں کی دینِ اسلام کو ضرورت ہے!

ستّاری

خدا تعالیٰ کی ستّاری ایسی ہے کہ وُہ انسان کے گناہ اور خطاؤں کو دیکھتا ہے، لیکن اپنی اس صفت کے باعث اس کی غلط کاریوں کو اُس وقت تک جب تک کہ وُہ اعتدال کی حد سے نہ گذر جاوے ڈھانپتا ہے، لیکن انسان کسی دُوسرے کی غلطی دیکھتا بھی نہیں اور شور مچاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کم حوصلہ ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات حلیم و کریم ہے۔ ظالم انسان اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھتا ہے اور کبھی کبھی خدا تعالیٰ کے حِلم پر پوری اطلاع نہ رکھنے کے باعث بیباک ہو جاتا ہے اس وقت ذو انتقام کی صفت کام کرتی ہے اور پھر اُسے پکڑ لیتی ہے۔ ہندو لوگ کہا کرتے ہیں کہ پرمیشر اوراَتّ میں وَیر ہے۔ یعنی خدا حد سے بڑھی ہوئی بات کو پسند نہیں رکھتا۔ بااینہمہ بھی وہ ایسا رحیم کریم ہے کہ ایسی حالت میں بھی اگر انسان نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ آستانۂ الٰہی پر جا گرے، تو وُہ رحم کے ساتھ اُس پر نظر کرتا ہے۔ غرض یہ ہے۔ کہ جیسے اللہ تعالیٰ ہماری خطاؤں پر معاً نظر نہیں کرتا اور اپنی ستّاری کے طفیل رُسوا نہیں کرتا، تو ہم کو بھی چاہیے کہ ہر ایسی بات پر جو کسی دُوسرے کی رسوائی یا ذلّت پر مبنی ہو۔ فی الفور مُنہ نہ کھولیں۔

(الحکم جلد ۳ نمبر ۱۸ صفحہ ۲ پرچہ ۱۹ مئی ۱۸۹۹ء)

پھر خدا نے چاہا کہ میں شناخت کیا جاؤں تو اُس نے اپنی شناخت کیلئے انسان کو پیدا کیا مگر ہم نہیں جانتے کہ کتنی دفعہ وحدتِ الٰہی کا زمانہ آچکا ہے اس کا علم خدا کو ہے لیکن جیسا کہ دوسری صفات ہمیشہ کے لئے معطل نہیں رہ سکتیں ایسا ہی وحدتِ الٰہی کی صفت بھی ہمیشہ معطل نہیں رہتی اور کبھی کبھی اس کا دور آجاتا ہے اور کبھی ذاتِ الٰہی دنیا کو ہلاک کرنا چاہتی ہے اور کبھی پیدا کرنا کیونکہ احیاء اور اماتت دونوں صفات اُس کے ہیں اس لئے ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ خدا ہر ایک جاندار کو ہلاک کرے گا یہاں تک کہ آسمان اور زمین کا بھی ایسے طور پر تختہ لپیٹ دے گا جیسا کہ ایک کاغذ لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس صورت میں تعطلِ صفات کا لازم نہیں آتا کیونکہ بعض صفات کی جب تجلی ہوتی ہے تو دوسری صفات جو اُن کے مقابل پر ہیں اور اُن کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں وہ کسی دوسرے وقت میں ظاہر ہوتی ہیں اور اس وقت کی منتظر رہتی ہیں اور یہ ایک سلسلہ قدرت کا واقعی ہے جس سے اہلاک کے بعد احیاء لازم پڑا ہوا ہے پس انہیں معنوں سے ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی کوئی صفت معطل نہیں ہوتی وہ قدیم سے مُحیی بھی ہے اور مُمیت بھی ہے اور کوئی صفت اُس کی ایسی نہیں ہے کہ پہلے تھی اور اب نہیں ہے یا اب ہے اور پہلے نہیں تھی۔ غرض ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی چیز خدا تعالیٰ کی وحدت کے ساتھ مزاحمت نہیں رکھتی محض اُسی کی ذات قائم بنفسہٖ اور ازلی اور ابدی ہے اور باقی سب چیزیں ہالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت ہیں۔ اور یہی خالص توحید ہے جس کے مخالف عقیدہ رکھنا سراسر شرک ہے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ وید کے پیرو پکے مشرک ہیں اور ذرّہ ذرّہ کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں پھر مجھے تعجب آتا ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی صفات کے منکر ہو کر اور صریح طور پر اُن صفات کا انکار کر کے کیونکر کہہ دیتے ہیں کہ الہامی کتاب کی یہ شرط ہے کہ اعلیٰ درجہ کے صفات پرمیشر کے اُس میں درج ہوں۔ اے نادانو! کیا یہ صفت خدا تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی نہیں ہے کہ اُس کی ازلیت ابدیت میں کوئی شریک نہ ہو پھر کیوں وید اُس کی ازلیت ابدیت میں دوسری چیزوں کو شریک کرتا ہے!

حمد کا حقیقی مستحق اللہ تعالیٰ ہے

اگر انسان غور اور فکر سے دیکھے تو اُس کو معلوم ہو گا
طور پر تمام محامد اور صفات کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی
اور کوئی انسان یا مخلوق واقعی اور حقیقی طور پر حمد و ثنا کی مستحق نہیں ہے اگر انسان بغیر کسی قسم کی غرض کی طونی کے دیکھے تو اس پر بدیہی
پر کھل جاوے گا کہ کوئی شخص جو مستحقِ حمد قرار پاتا ہے وہ یا تو اس لیے مستحق ہو سکتا ہے کہ کسی ایسے زمانہ میں جبکہ کوئی وجود
موجود کی خبر نہ تھی وُہ اُس کا پیدا کرنے والا ہو یا اس وجہ سے کہ ایسے زمانہ میں کہ کوئی وجود نہ تھا اور نہ معلوم تھا کہ
اور بقاء وجود اور حفظِ صحت اور قیام زندگی کے لیے کیا کیا اسباب ضروری ہیں۔ اُس نے وہ سب سامان مہیا کر
ہوں یا ایسے زمانہ میں کہ اس پر بہت سی مصیبتیں آسکتی تھیں۔ اُس نے رحم کیا ہو اور اُس کو محفوظ رکھا ہو اور یا اس
سے مستحقِ تعریف ہو سکتا ہے کہ محنت کرنے والے کی محنت کو ضائع نہ کرے اور محنت کرنے والوں کے حقوق پورے
طور پر ادا کرے؛ اگرچہ بظاہر محنت کرنے والے کے حقوق کا دینا معاوضہ ہے، لیکن ایسا شخص بھی محسن ہو سکتا ہے
پُورے طور پر حقوق دے۔ یہ صفات اعلیٰ درجہ کی ہیں جو کسی کو مستحقِ حمد و ثنا بنا سکتی ہیں۔ اب غور کر کے دیکھ لو کہ حقیقی
ان سب محامد کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کامل طور پر ان صفات سے متصف ہے۔ اور کسی میں یہ صفات
نہیں ہیں۔

[1] الحکم جلد ۴ نمبر ۳ مورخہ ۲۴ جنوری سن

۳۱ جولائی ۱۹۰۳ء

اسماء الٰہیہ کی تجلیات

بعض زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے اسم ضال کی تجلی ہوتی ہے اور بعض
میں اسم ہادی کی تجلی۔ نیک اور خداترس لوگ جس اسم کی تجلی
ہے اس کے نیچے آتے ہیں اور اپنے رنگ میں اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صوفی ابن الوقت
ہے۔ اسم ضال کی تجلی کا زمانہ گذر چکا اور اب اسم ہادی کی تجلی کا وقت آیا ہے۔ اسی واسطے خود بخود طبیعتوں
میں اس کفر اور شرک سے ایک بیزاری پیدا ہو رہی ہے جو عیسائی مذہب نے پھیلایا تھا۔ ہر طرف سے خبریں
آرہی ہیں کہ دُنیا میں ایک شور مچ گیا ہے اور وہ وقت آگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید دنیا میں پھیلے اور
شناخت کیا جاوے۔ اس کی طرف اشارہ کر کے براہین احمدیہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا
فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ۔ اور پھر ایک جگہ فرمایا ہے۔ اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ۔

جن لوگوں کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے وہ بھی مانتے ہیں کہ یہ زمانہ انقلابات کا زمانہ ہے ہر قسم کے انقلابات ہو
رہے ہیں اور یہ سب انقلاب ایک آنے والے زمانہ کی خبر دیتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کامل
طور پر ظاہر ہو گا۔

اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس قوم میں فسق و فجور پیدا ہو جاتا ہے۔ فاسق چونکہ زنانہ مزاج
ہوتے ہیں اور فسق کی بنیاد ریت پر ہوتی ہے اس لیے وہ جلد تباہ ہوتے ہیں۔ ذرا سا مقابلہ ہو اور سختی پڑے تو
برداشت کی طاقت نہیں رکھتے۔

البدر یکم اگست 1903ء

خدا تعالیٰ کی صفات اَبدی ہیں

خدا کبھی معطل نہیں ہو گا ہمیشہ خالق، ہمیشہ رازق، ہمیشہ رب، ہمیشہ رحمان، ہمیشہ رحیم ہے اور
رہے گا میرے نزدیک ایسے عظیم الشان جبروت والے کی نسبت بحث کرنا گناہ میں داخل ہے خدا
نے کوئی چیز منوانی نہیں چاہی جس کا نمونہ یہاں نہیں دیا۔ ہم لڑکپن میں ایسا کرتے تھے اور دیکھتے
تھے کہ مکھی کو جب مار دیا جائے تو وہ بے حس و حرکت ہو جاتی ہے مگر پھر اگر اس کے سر کو گوبر میں
دبا دیا جائے تو وہ زندہ ہو جایا کرتی ہے اسی طرح مکھی۔ یہ موت حقیقی موت نہیں ہوتی نیند اور غشی
بھی موت ہی ہے۔[1]

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء)

ایک الہام اور اس کی تشریح

کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ

ترجمہ:۔ مَیں ایک مخفی خزانہ تھا پھر مَیں نے چاہا کہ مَیں پہچانا جاؤں

فرمایا:
یہ صفاتِ الٰہیہ کا ظہور ہے کسی زمانہ میں کوئی ایک صفت ظاہر ہوتی ہے اور کسی زمانہ پوشیدہ رہتی ہے
جب ایک اصلاح کا زمانہ دُور پڑ جاتا ہے اور لوگوں میں خدا شناسی نہیں رہتی تو اللہ تعالیٰ پھر اپنی معرفت کو ظاہر
کرنے کے واسطے ایک ایسا آدمی پیدا کرتا ہے جس کے ذریعہ سے اس کی معرفت دُنیا میں پھیلتی ہے لیکن جس زمانہ
میں وہ مخفی ہوتا ہے اُس زمانہ میں عابدوں کی عبادت اور زاہدوں کے زُہد بھی ادھورے اور نکمے رہ جاتے ہیں۔
یہ الہام براہینِ احمدیہ میں بھی درج ہے۔ لیکن اب پھر اس کے خاص ظہور کا وقت معلوم ہوتا ہے۔ اس واسطے
دوبارہ یہ الہام ہوا ہے۔

بدر جولائی 1905ء

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے راضی ہونا یہ موقوف ہے بندہ کے صدق و وفاداری اور اعلیٰ درجہ کی پاکیزگی اور طہارت اور کمال اطاعت پر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے معرفت اور سلوک کے تمام مدارج طے کر لیے تھے۔ اس کا نمونہ حواریوں میں اگر ڈھونڈو تو ہرگز نہیں مل سکتا۔ پس نرے سلب امراض پر خوش ہو جانا یہ کوئی دانشمندی نہیں ہے اور کمالات کا شیدائی ان باتوں پر خوش نہیں ہو سکتا۔ اس لیے میں تمہارے لیے یہی چاہتا ہوں کہ تم اپنے دل کو پاک کرو کہ مولیٰ کریم تم سے راضی ہو جاوے اور تم اس سے راضی ہو جاؤ۔ پھر وہ تمہارے جسم میں تمہاری باتوں میں ایسی برکت رکھ دے گا جو سلب امراض کرنے والے بھی انہیں دیکھ کر حیران اور شرمندہ ہوں گے۔

ایک نُکتہ معرفت

قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ کوئی صفت معصوم کے صیغہ میں نہیں ہے۔ قدُّوس تو ہے مگر معصوم نہیں ہے کیونکہ معصوم کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ اس کو بچانے والا کوئی اَور ہے؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اپنی ذات کے لحاظ سے بے عیب پاک خدا ہے اور وحدہٗ لاشریک اکیلا خدا ہے۔ اس کو بچانے والا کون ہو سکتا ہے۔

الحکم جلد ۹ نمبر ۱۹ صفحہ ۹ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۵ء

خدا تعالیٰ کا حلم

بعض لوگوں کے بدیوں اور شرارتوں میں حد سے بڑھ جانے کا ذکر تھا۔ فرمایا:

اللہ تعالیٰ بڑا حلیم اور کریم ہے اور اس کے کام نہایت آہستگی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ معصیت میں پڑے ہوئے لوگوں کو وہ مہلت دیتا ہے اور لوگ اس پر حیران ہوتے اور گھبراتے ہیں۔ لیکن گذشتہ واقعات زمانہ ظاہر کرتے ہیں کہ ایسے لوگوں پر جب عذاب آتا ہے نہایت سخت آتا ہے۔ زمانہ میں راحت کے دن بہت ہیں مگر آخر کار گرفتاری کا بھی ایک دن آ ہی جاتا ہے اور اس وقت ایسا پکڑا جاتا ہے کہ اس کے دُکھ کو دیکھ کر سخت سے سخت دل آدمی بھی دردناک ہو جاتا ہے ؎

ہاں مشو مغرور از حلمِ خدا
دیر گیرد سخت گیرد مر تُرا

٭ ٭ ٭

خدا کا حلم ۔ بدر ۔ 29 ستمبر 1905ء

اللہ تعالیٰ اپنے افعال اور صفات کے ساتھ موجود ہے اور اس کی صفات میں سے یہ بھی ہے یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ (اٰلِ عمران : ۴۸) اور عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (البقرۃ : ۱۰۷) جو لوگ ان صفات کے ماننے میں کہ قیامت ہوگی کیا شک ہو سکتا ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ ہم اس کا ثبوت یہاں بھی رکھتے اور دیکھتے ہوں۔ بے شک قیامت حق ہے۔ اور اس کی قدرتوں کا ایک نمونہ۔ اللہ تعالیٰ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (البقرۃ : ۱۰۷) سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ حشر و نشر پر بھی قادر ہے اور حشر و نشر قدرت ہی پر موقوف ہے۔ یہ اسلام کی خصوصیات ہیں کہ اسلام نری تعلیم ہی نہیں دیتا بلکہ جب انسان اس تعلیم پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے نشانات اور آیات بھی دکھاتا ہے چنانچہ جب وہ اپنے نفس کا تزکیہ کرتا ہے اور اس پر ایمان لاتا ہے تو وہ آیات اللہ کو دیکھتا ہے جس سے اس کا ایمان عرفان کے رنگ میں مضبوط ہو جاتا ہے۔

دوسرے ادیان کے متبعین میں یہ آیات اور نشانات نہیں ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل متبعین ہی کو ملتے ہیں جو اپنے دل کو صاف کرتے ہیں اور ان میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا۔ اس وقت ان کو یہ نشانات دیئے جاتے ہیں جو ان کی معرفت اور قوتِ یقین کو بڑھا دیتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کا قادر ہونا

یہودی: اگر خدا قادر ہے تو کیوں نہیں ہو سکتا کہ وہ مسیح کو آسمان سے لے آوے؟

حضرت اقدس: بے شک خدا تعالیٰ قادر ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ خلاف وعدہ کرتا ہے یا ایسے افعال بھی اس سے صادر ہوتے ہیں جو اس کی صفات کاملہ اور اس کی قدوسیت کے خلاف ہوں۔ کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے آپ کو قتل کر دے یا کوئی اپنا مثیل پیدا کر لے۔ اسی طرح پر جبکہ وہ ایک عہد کر چکا ہے کہ مُردے واپس اس دنیا میں نہیں آتے تو وہ اس کا خلاف کیونکر کرے؟ قادر سمجھ کر خدا تعالیٰ کے لیے ایسے ایسے امور تجویز کر لینا جو اس کی صفاتِ کاملہ کے منافی ہوں اللہ تعالیٰ کی سخت ہتک اور توہین ہے اور اس سے ڈرنا چاہیے۔ یہ محلِ ادب ہے۔

(اس مقام پر یہودی صاحب بھی خاموش ہو گئے اور سلسلہ کلام ختم ہو گیا اور اعلیٰ حضرت تشریف لے گئے)

الحکم جلد ۹ نمبر ۴۰ صفحہ ۷، ۸ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۵ء

دُعا کرتے رہو۔

جو لوگ اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر ہے وہ ان باتوں کی پروا نہیں کر[تے]
اس بات کی غرض ہی نہیں ہوتی کہ اُن کے دیتے ہوئے مال کا ذکر بھی کرے۔ دُنیا مزرعہ آخرت
آخرت کی کھیتی ہے۔ جو کچھ بنانا ہے اسی دُنیا میں بناؤ۔ جو شخص رُوحانی مال و دولت اور جائداد یہاں
وہ خوشحال ہو گا؛ ورنہ یہاں سے خالی ہاتھ جانا ہو گا اور بڑے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔
نہ مال کام آئے گا نہ اولاد اور نہ دُوسرے عزیز جن کے لیے دین کے پہلو کو چھوڑا تھا۔

خدا کو راضی کرنے کے یہی دن ہیں

اب یاد رکھو۔ وہی خدا جس نے تیرہ سو برس پہلے اس ز[مانہ]
تھی وہی خبر دیتا ہے کہ زمانہ قریب آگیا ہے اور بڑے ب[ڑے]
ظاہر ہوں گے۔ اگر ان نشانوں کا انتظار ہے اور ان کے بعد جوش پیدا ہوا تو اس کا ثواب ایسا
جیسا آج ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس وقت اگر کوئی ایمان پیش کریگا تو ذرہ برابر
نہ ہوگی۔ کیونکہ اس وقت تو کافر سے کافر بھی سمجھ لے گا کہ دُنیا فانی ہے۔

مَیں نے سُنا ہے کہ طاعون کے زور کے دنوں میں ایک جگہ ایک بڑا متموّل ہندو مر گیا مرنے
اس نے اپنے مال و دولت کی کُنجیاں اپنے بھائی کو دیں۔ وہ بھی مر گیا۔ اور اس طرح پر ان کا سارا خاندان
ہو گیا اور آخری شخص نے مرتے وقت وہاں کے ایک زمیندار کو کُنجیاں پیش کیں۔ اس نے انکار کر
کیا کروں گا۔ بالآخر وہ مال داخلِ خزانہ سرکار رہوا۔

یہ سچی بات ہے کہ جب خوف کے دن آتے ہیں تو بڑے بڑے پاجی اور خبیث لوگ بھی صدقہ
خیرات کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اس وقت یہ باتیں کام نہیں آتی ہیں۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کا غضب
بھڑک چکا ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص عذاب کے آنے سے پہلے خدا تعالےٰ سے ڈرتا اور اس سے
ہے وہ بچا لیا جاتا ہے۔

پس خدا تعالےٰ کو راضی کرنے کے یہی دن ہیں۔ مَیں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے جس نے
ہستی کا ثبوت مجھے دیا ہے میرے پاس الفاظ نہیں جن میں مَیں اُسے ظاہر کر سکوں۔ وہی خدا
نے براہین کے زمانہ میں ان تمام اُمور کی جو آج تم دیکھ رہے ہو خبر دی۔ اُن ہندوؤں سے جو ہمارے
جدّی دشمن ہیں پُوچھ لو کہ اس زمانہ میں اس جلوۂ قدرت کا کہاں نشان تھا۔ جب وُہ ساری باتیں
ہو چکی ہیں۔ پھر جو باتیں آج وہ بتاتا ہے وہ کیونکر پُوری نہ ہوں گی؟ الحکم 31 جولائی [1]906
اس خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ عنقریب خطرناک وقت آنے والا ہے۔

توبہ

توبہ کے معنے ہیں ندامت اور پشیمانی سے ایک بدکام سے رجوع کرنا۔ توبہ کوئی بُرا کام نہیں
ہے۔ بلکہ لکھا ہے کہ توبہ کرنے والا بندہ خدا کو بہت پیارا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا نام بھی تواب
ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان اپنے گناہوں اور افعالِ بد سے نادم ہو کر پشیمان ہوتا ہے اور آئندہ
اس بدکام سے باز رہنے کا عہد کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر رجوع کرتا ہے رحمت سے۔ خدا انسان کی توبہ
سے بڑھ کر توبہ کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر انسان خدا کی طرف ایک بالشت بھر جاتا ہے تو
خدا اس کی طرف ہاتھ بھر آتا ہے۔ اگر انسان چل کر آتا ہے تو خدا تعالیٰ دَوڑ کر آتا ہے یعنی اگر انسان خدا کی
طرف توجہ کرے تو اللہ تعالیٰ بھی رحمت، فضل اور مغفرت میں انتہاء درجہ کا اس پر فضل کرتا ہے، لیکن اگر خدا
سے منہ پھیر کر بیٹھ جاوے تو خدا تعالیٰ کو کیا پروا۔

دیکھو یہ خدا تعالیٰ کے فیضان کے لینے کی راہیں ہیں۔ اب دروازے کُھلے ہیں تو سورج کی روشنی برابر
اندر آرہی ہے اور ہمیں فائدہ پہنچا رہی ہے، لیکن اگر ابھی اس مکان کے تمام دروازے بند کر دیئے جاویں
تو ظاہر ہے کہ روشنی آنی موقوف ہو جاوے گی۔ اور بجائے روشنی کے ظلمت آجاوے گی۔ پس اسی طرح
سے دل کے دروازے بند کرنے سے تاریکیٔ ذنوب اور جرائم موجود ہوتی ہے اور اس طرح انسان خدا کی
رحمت اور فضل کے فیوض سے بہت دُور جا پڑتا ہے/ پس چاہیئے کہ توبہ استغفار منتر جنتر کی طرح نہ پڑھو۔ بلکہ
ان کے مفہوم اور معانی کو مدِ نظر رکھ کر تڑپ اور سچی پیاس سے خدا تعالیٰ کے حضور دُعائیں کرو/ توبہ میں ایک
مخفی عہد بھی ہوتا ہے کہ فلاں گناہ میں کرتا تھا۔ اب آئندہ وہ گناہ نہیں کروں گا۔ اصل میں انسان کی خدا تعالیٰ
پردہ پوشی کرتا ہے کیونکہ وہ ستار ہے بہت سے لوگوں کو خدا تعالیٰ کی ستاری نے ہی نیک بنا رکھا ہے۔ ورنہ
اگر خدا تعالیٰ ستاری نہ فرماوے تو پتہ لگ جاوے کہ انسان میں کیا کیا گند پوشیدہ ہیں۔

انسان کے ایمان کا کمال

انسان کے ایمان کا بھی کمال یہی ہے کہ تخلّق باخلاق اللہ کرے۔

الحکم 18 مئی 1905ء

پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ فریب اور دغا نہیں ہو سکتا۔ کوئی اس کو دھوکا نہیں دے سکتا۔[1] جب تک سچے انہو...
اور پوری وفاداری کے ساتھ یک رنگ ہو کر خدا تعالیٰ کا نہ بن جاوے کچھ فائدہ نہیں۔

یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا اجتبا اور اصطفا فطرتی جوہر سے ہوتا ہے۔ ممکن ہے گذشتہ زندگی میں وہ کوئی
صغائر یا کبائر رکھتا ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ سے اس کا سچا تعلق ہو جاوے تو وہ کل خطائیں بخش دیتا ہے اور
پھر اس کو کبھی شرمندہ نہیں کرتا نہ اس دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ یہ کس قدر احسان اللہ تعالیٰ کا ہے کہ جب
ایک دفعہ درگذر کرتا اور عفو فرماتا ہے پھر اس کا کبھی ذکر ہی نہیں کرتا۔ اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ پھر باوجود
ایسے احسانوں اور فضلوں کے بھی اگر وہ منافقانہ زندگی بسر کرے تو پھر سخت بدقسمتی اور شامت ہے۔

صفائی قلب

برکات اور فیوضِ الٰہی کے حصول کے واسطے دل کی صفائی کی بھی بہت
ضرورت ہے۔ جب تک دل صاف نہ ہو کچھ نہیں۔ چاہیئے کہ جب اللہ تعالیٰ
دل پر نظر ڈالے تو اس کے کسی حصہ یا کسی گوشہ میں کوئی شعبہ نفاق کا نہ ہو۔ جب یہ حالت ہو تو پھر الٰہی نظر کیسا تھ
تجلیات آتی ہیں اور معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے ایسا وفادار اور صادق ہونا چاہیئے جیسے ابراہیم علیہ السلام
نے اپنا صدق دکھایا یا جس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمونہ دکھایا۔ جب انسان اس نمونہ پر قدم مارتا
ہے تو وہ بابرکت آدمی ہو جاتا ہے۔ پھر دُنیا کی زندگی میں کوئی ذلت نہیں اُٹھاتا اور نہ تنگیٔ رزق کی مشکلات
میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ اس پر خدا تعالیٰ کے فضل واحسان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور مستجاب الدعوات
ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کو لعنتی زندگی[2] سے ہلاک نہیں کرتا بلکہ اس کا خاتمہ بالخیر کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ جو خدا تعالیٰ سے سچا اور کامل تعلق رکھتا ہو تو خدا تعالیٰ اس کی ساری مرادیں پوری کر دیتا ہے
اسے نامراد نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ قادر و کریم کا اقتضاء

اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں بڑی قابل غور ہیں
اور ان صفات پر ایمان لانے سے بھی امید
وسیع ہوتی اور مومن کا یقین زیادہ ہوتا ہے۔ وہ صفات اس کے قادر اور کریم ہونے کی ہیں جب تک یہ دونوں باتیں
نہ ہوں۔ کوئی فیض نہیں ملتا ہے دیکھو اگر کوئی شخص کریم تو ہو اور اس کے پاس ہو تو ہزاروں روپیہ دے دینے میں بھی
اُسے تامل اور دریغ نہ ہو لیکن اس کے گھر میں کچھ بھی نہ ہو تو اس کی صفتِ کریمی کا کیا فائدہ؟ یا اس کے پاس روپیہ
تو بہت ہو مگر کریم نہ ہو پھر اس سے کیا حاصل؟ مگر خدا تعالیٰ میں یہ دونوں باتیں ہیں وہ قادر ہے اور کریم بھی ہے

---

[1] البدر سے:۔ وہ خوب جانتا ہے کہ ہر ایک کا اندرونہ کیسا ہے۔" (البدر جلد ۳ نمبر ۱۱ صفحہ ۳)

[2] البدر میں ہے:۔ "تب خدا تعالیٰ اسے لعنتی موت سے محفوظ رکھتا ہے۔" (ایضاً)

۱۸ مئی ۱۹۰۸ء

بعد نماز ظہر۔ بمقام لاہور

پروفیسر ریگ کے بعض سوالات کے جوابات[1]

دہلی پروفیسر ریگ جن کا کسی
پہلی اشاعت میں حضرت اقدس
سے ملاقات کرنا اور سوال وجواب شائع ہو چکا ہے۔ ۱۸ مئی ۱۹۰۸ء کو پھر حضرت مفتی محمد صادق صاحب
کی تحریک اور وساطت سے حضرت اقدس کے حضور حاضر ہوئے اور خیریتِ حال دریافت کرنے
کے بعد ذیل کا سوال وجواب ہوا۔

سوال:۔ آپ کا کیا عقیدہ ہے خدا محدود ہے یا کہ ہر جگہ حاضر وناظر اور اس میں کوئی شخصیت یا جذبات
پائے جاتے ہیں؟

جواب:۔ ہم خدا تعالیٰ کو محدود نہیں سمجھتے اور نہ ہی خدا محدود ہو سکتا ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کی نسبت یہ جانتے
ہیں کہ جیسا وہ آسمان پر ہے ویسا ہی زمین پر بھی ہے۔ اس کے دو قسم کے تعلق پائے جاتے ہیں ایک عام
تعلق جو عام مخلوق کے ساتھ ہے اور ایک دوسرا خاص تعلق جو ان خاص بندوں کے ساتھ ہوتا ہے
جو اپنے آپ کو پاک کر کے اس کی محبت میں ترقی کرتے ہیں۔ تب وہ ان سے ایسا قریب ہو جاتا ہے جیسا
کہ ان کے اندر ہی سے بولتا ہے۔ یہ اس میں ایک عجیب بات ہے کہ باوجود دُور ہونے کے وہ
نزدیک ہے اور باوجود نزدیک ہونے کے وہ دُور ہے۔ وہ بہت ہی قریب ہے مگر پھر بھی نہیں کہہ
سکتے کہ جس طرح ایک جسم دوسرے جسم سے قریب ہوتا ہے اور وہ سب سے اوپر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ
اس کے نیچے کوئی چیز بھی ہے۔ وہ سب چیزوں سے زیادہ ظاہر ہے مگر پھر بھی وہ عمیق در عمیق ہے۔
جس قدر انسان سچی پاکیزگی حاصل کرتا ہے اسی قدر اس کے وجود پر اس کو اطلاع ہوتی ہے۔

فرمایا:۔

---

[1] الحکم جلد ۱۲ نمبر ۴۱ صفحہ ۲ تا ۱۳ مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۰۸ء

جذبات سے مراد غالباً ان کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کے ذمے شریعت کا بوجھ کیوں ڈال رکھا ہے اور حرام و حلال کی پابندی میں اسے کیوں قید کر رکھا ہے؟ سو جاننا چاہیئے کہ اصل بات یہ ہے کہ خدا چونکہ نہایت درجہ قدوس ہے وہ اپنی تقدیس کی وجہ سے ناپاکی کو پسند نہیں کرتا۔ اور چونکہ وہ رحیم و کریم ہے اس واسطے نہیں چاہتا کہ انسان ایسی راہوں پر چلے جن میں اس کی ہلاکت ہو۔ پس یہ اس کے جذبات ہیں جن کی بناء پر مذہب کا سلسلہ جاری ہے۔ اب ان کا نام خواہ آپ کچھ ہی رکھ لو۔

سوال:۔ کیا خدا کی کوئی شکل ہے؟

جواب:۔ جب وہ محدود ہی نہیں تو شکل کیسی؟

سوال:۔ جب خدا محبت ہے۔ عدل ہے۔ انصاف ہے۔ تو کیا وجہ کہ نظام دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر بعض چیزوں کو بعض کی خوراک بنا دیا ہے۔ اگر محبت اور عدل یا انصاف و رحم اس کے ذاتی خاصے ہیں تو کیا وجہ کہ اس نے مخلوق میں سے بعض میں ایسی کیفیت اور قویٰ دکھ دیئے ہیں کہ وہ دوسروں کو کھا جائیں حالانکہ مخلوق ہونے میں دونو برابر ہیں۔

جواب:۔ جب محبت کا لفظ خدا تعالیٰ کی نسبت بولا جاتا ہے تو اسکو انسانی محبت پر قیاس کر لینا بڑی بھاری غلطی ہے محبت کا لفظ جس طرح انسانوں میں اطلاق پاتا ہے اور جو مفہوم اس کا انسانی تعلقات کی حیثیت میں سمجھا جاتا ہے وہ ہرگز ہرگز خدا تعالیٰ پر اطلاق نہیں پا سکتا۔ اور نہ ہی وہ معنے اور مراد خدا تعالیٰ پر صادق آتے ہیں انسان میں محبت اور غضب کی قوت ہے مگر جو مفہوم ان کا انسان کے متعلق بولتے وقت ہمارے ذہن میں آتا ہے وہ خدا تعالیٰ پر ہرگز ہرگز اطلاق نہیں پا سکتا۔ یہ غلطی ہے۔ فطرتِ انسانی میں یہ رکھا گیا ہے کہ جب کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کے فراق سے اس کو صدمہ بھی پہنچتا ہے۔ ماں اپنے بچے سے محبت کرتی ہے۔ مگر اگر اس کا بچہ اس سے جُدا ہو جاوے تو اس کو کیسا صدمہ ہوتا ہے اور کتنا دُکھ اور رنج پہنچتا ہے۔ اسی طرح سے جو شخص کسی دوسرے پر غضب کرتا ہے اول وہ خود اپنے آپ میں اس کا صدمہ اور اثر پاتا ہے گویا دوسرے کو سزا دینے کے ساتھ ہی خود اپنی جان کو بھی سزا دیتا ہے۔ غضب ایک دُکھ ہے جس کا اثر پہلے اپنی ہی ذات پر پڑتا ہے اور ایک قسم کی تلخی پیدا ہو کر طبیعت میں سے راحت اور چین نکل جاتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے۔ پس اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ ان الفاظ کا اطلاق اس رنگ میں جس رنگ میں ہم انسان پر کرتے ہیں اور جو مفہوم ان کا انسانی تعلق میں ہو سکتا ہے اس رنگ میں خدا تعالیٰ پر نہیں بول سکتے اور نہ ہی وہ خدا پر صادق آتے ہیں۔ اس واسطے ہم ان الفاظ کو پسند نہیں کرتے۔ یہ ان لوگوں کا بنایا ہوا لفظ ہے۔ جو خدا کو محض انسانی حالت پر قیاس کرتے ہیں۔ وہ

پاک ذات ہے۔ جو اس کی رضا کے موافق چلتا ہے اس سے اس کا تعلق زیادہ سے زیادہ ہوتا جاتا ہے ہاں البتہ استعارہ کے رنگ میں محبت اور غضب کا لفظ خدا تعالیٰ کے لیے بھی بولا جا سکتا ہے۔

پس یاد رکھو کہ یہ ایک دُنیا کا کارخانہ ہے جس کے واسطے خدا تعالیٰ نے اپنی کامل حکمت سے موجودہ نظام مقرر فرمایا ہے اور یہ اس نظام کے ماتحت اس طرح سے چل رہا ہے۔ البتہ اس کے واسطے یہ الفاظ موزوں نہیں ہیں۔ محبت کا لفظ ایک درد اور گداز رکھتا ہے۔ اگر فرض بھی کر لیں کہ خدا محبت ہے اور اس کی صفت غضب بھی ہے (انسانی حالت کے خیال سے) تو پھر ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ خدا کو بھی ایک قسم کی تکلیف اور رنج و دُکھ ہوتا ہے۔ مگر یاد رکھو ایسے ناقص الفاظ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کئے جا سکتے۔

سوال:۔ یہ تو مَیں نے سمجھ لیا ہے مگر مَیں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ خدا نے یہ خاصہ کیوں رکھ دیا کہ ادنےٰ اعلیٰ کا خادم ہو یا اس کی خوراک بنے اور اس کے سامنے ذلیل رہے۔

جواب:۔ ہم نے تو ابھی بیان کیا ہے کہ خدا کی صفات محبت، رحم اور غضب کی تشریح ہم اس طور سے نہیں کر سکتے جیسا کہ انسانوں میں یہ صفات ہیں۔ انسانی حالت پر خدا تعالیٰ کا قیاس کرنا سخت غلطی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا ایک وسیع نظام ہے جو اس نے اسی طرح بنایا ہے اس نظام میں انسان اپنی حد سے زیادہ دست اندازی نہیں کر سکتا اور یہ مناسب نہیں کہ دقیق در دقیق مصالحِ خدائی میں دخل دیکر ہر بات میں ایک سوال پیدا کر لے۔ یہ عالم ایک مختصر عالم ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے ایک وسیع عالم رکھا ہے جس میں اس نے ارادہ اور وعدہ کیا ہے کہ سچی اور ابدی خوشحالی دی جاوے گی۔ ہر دُکھ جو اس جہان میں ہے اس کا تدارک اور تلافی دوسرے عالم میں کر دی جاوے گی۔ جو کمی اس جہان میں پائی جاتی ہے وہ آئندہ عالم میں پوری کر دی جاوے گی۔ باقی رہا دُکھ، درد، تکلیف، رنج و محن، یہ تو ادنیٰ و اعلیٰ کو یکساں برداشت کرنا پڑتا ہے اور یہ اس نظامِ عالم کے قیام کے واسطے لازمی اور ضروری تھے۔ اگر وسیع نظر سے دیکھا جاوے تو کوئی بھی دُکھ سے خالی نہیں۔ ہر مخلوق کو علی قدرِ مراتب اس میں سے حصہ لینا ہی پڑتا ہے البتہ کسی کو کسی رنگ میں ہے اور کسی کو کسی رنگ میں۔ اگر باز چڑیوں اور پرندوں کو کھاتا ہے تو شیر، چیتے اور بھیڑیئے انسان کے بچوں کو بھی کھا جاتے ہیں۔ سانپ بچھو وغیرہ بھی ستاتے ہیں۔ غرض یہ سلسلہ تو اس طرح سے چل رہا ہے اس سے خالی کوئی بھی نہیں۔ البتہ ان کی تلافی اور تدارک کے واسطے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرا عالم رکھا ہے۔ اسی واسطے تو قرآن شریف میں اس کا نام مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بھی ہے۔

سوال :۔ پاکیزگی سے کیا مراد ہے ؟

جواب :۔ پاکیزگی سے یہ مراد ہے کہ انسان کو جو اس کے جذباتِ نفسانیہ خدا تعالیٰ سے رُو گرداں کر کے اپنی طرف
میں محو کرنا چاہتے ہیں ان کا مغلوب نہ ہو۔ اور کوشش کرے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق اس کی
یہاں تک کہ اس کا کوئی قول فعل خدا تعالیٰ کی رضامندی کے بغیر سرزد ہی نہ ہو۔ خدا تعالیٰ قدوس اور پاک
وہ اپنی صفات کے مطابق ہی انسان کو بھی چلانا چاہتا ہے۔ وہ رحیم ہے انسان سے بھی رحم چاہتا ہے
وہ کریم ہے انسان سے بھی کرم چاہتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی صفات خدا تعالےٰ کے قانونِ قدرت میں
جسمانی طور سے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا مدت ہائے دراز سے چلی آتی ہے۔ ان کو اناج، پانی، لباس
وغیرہ تمام حوائجِ ضروریہ اور لوازمِ انسانیہ ہمیشہ سے بہم پہنچاتا چلا آیا ہے اور ہمیشہ ہی اس کے رحم
کرم کی صفات اور اسماءِ حسنہ کے تقاضے ساتھ ساتھ مخلوق کی دستگیری کرتے چلے آئے ہیں۔ پس غرض
ہے کہ خدا تعالیٰ انسان کو اپنی صفات کے رنگ میں رنگین کرنا چاہتا ہے۔

ك الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۵ صفحہ ۴ تا ۷ مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء

باب سوم

وحی ۔ الہام ۔ کشف ۔ رویاء

REVELATION, VISION DREAM

الہام کیا چیز ہے ؟ وہ پاک اور قادر خدا کا ایک برگزیدہ بندہ کے ساتھ یا اس کے ساتھ جس کو برگزیدہ کرنا
چاہتا ہے ایک زندہ اور باقدرت کلام کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے۔ سو جب یہ مکالمہ اور مخاطبہ کافی اور تسلی بخش
سلسلہ کے ساتھ شروع ہو جائے اور اس میں خیالاتِ فاسدہ کی تاریکی نہ ہو اور نہ غیر مکتفی اور چند بے سرو پا لفظ
ہوں اور کلام لذیذ اور پُرحکمت اور پُرشوکت ہو تو وہ خدا کا کلام ہے جس سے وہ اپنے بندے کو تسلی دینا چاہتا ہے
اور اپنے تئیں اس پر ظاہر کرتا ہے۔ ہاں کبھی ایک کلام محض امتحان کے طور پر ہوتا ہے اور پورا اور بابرکت سامان ساتھ
نہیں رکھتا۔ اس میں خدائے تعالیٰ کے بندہ کو اس کی ابتدائی حالت میں آزمایا جاتا ہے تا وہ ایک ذرہ الہام کا مزہ چکھ
کر پھر واقعی طور پر اپنا حال و قال سچے ملہموں کی طرح بنا دے یا ٹھوکر کھا دے۔ پس اگر وہ حقیقی راستبازی صدیقوں کی
طرح اختیار نہیں کرتا تو اس نعمت کے کمال سے محروم رہ جاتا ہے اور صرف بیہودہ لاف زنی اس کے ہاتھ میں ہوتی
ہے۔ کروڑہا نیک بندوں کو الہام ہوتا رہا ہے مگر ان کا مرتبہ خدا کے نزدیک ایک درجہ کا نہیں بلکہ خدا کے پاک نبی
جو پہلے درجہ پر کمال صفائی سے خدا کا الہام پانے والے ہیں وہ بھی مرتبہ میں برابر نہیں۔

* (فلاسفی صفحہ ۱۲۳ تا ۱۲۵)

إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۝

حدیثوں اور قرآن کریم سے ثابت ہے کہ جو شخص کامل انقطاع اور کامل توکّل کا مرتبہ پیدا کر لیتا ہے تو فرشتے اس کے خادم کئے جاتے ہیں اور ہر یک فرشتہ اپنے منصب کے موافق اس کی خدمت کرتا ہے وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۶۹۸)

جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ جلّ شانہٗ ہے پھر اپنی ثابت قدمی دکھلاتے ہیں کہ کسی مصیبت اور آفت اور زلزلہ اور امتحان سے اُن کے صدق میں ذرہ فرق نہیں آتا اُن پر فرشتے اُترتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم ذرا خوف نہ کرو اور نہ غمگین ہو اور اُس بہشت کے تصوّر سے شاداں اور فرحاں رہو جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے ہم تمہارے متولّی اور تمہارے پاس ہر وقت حاضر اور قریب ہیں کیا دُنیا میں اور کیا آخرت میں۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۴۸)

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے اور پھر استقامت اختیار کی اُن کی یہ نشانی ہے کہ اُن پر فرشتے اُترتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم مت ڈرو اور کچھ غم نہ کرو اور خوشخبری سُنو اُس بہشت کی جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا تھا ہم تمہارے دوست اور متولّی اِس دُنیا کی زندگی میں ہیں اور نیز آخرت میں۔ اور تمہارے لئے اِس بہشت میں وہ سب موجود ہے جو تم مانگو۔ یہ مہمانی ہے غفور رحیم سے۔

اب دیکھئے اِس آیت میں مکالمہ الٰہیہ اور قبولیت اور خدا تعالیٰ کا متولّی اور متکفّل ہونا اور اسی دُنیا میں بہشتی زندگی بنا دینا اور ان کا حامی اور ناصر ہونا بطور نشان کے بیان فرمایا گیا۔ (جنگِ مقدس صفحہ ۶۳، ۶۴)

+

الہام ایک القاءِ غیبی ہے کہ جس کا حصول کسی طرح کی سوچ اور تردّد اور تفکّر اور تدبّر پر موقوف نہیں ہوتا اور ایک واضح اور منکشف احساس ہے کہ جیسے سامع کو متکلّم سے یا مضروب کو ضارب سے یا ملموس کو لامس سے محسوس ہوتا ہے اور اس سے نفس کو مثل حرکاتِ فکریہ کے کوئی الم رُوحانی نہیں پہنچتا بلکہ جیسے عاشق اپنے معشوق کی رؤیت سے بلاتکلّف انشراح اور انبساط پاتا ہے ویسا ہی رُوح کو الہام سے ایک ازلی اور قدیمی رابطہ ہے کہ جس سے

رُوح لذت اُٹھاتا ہے۔ غرض یہ منجانب اللہ اعلام لذیذ ہے کہ جس کو نفث فی الروع اور وحی بھی کہتے ہیں۔

(پُرانی تحریریں صفحہ ۱۸)

اِلہام کیا چیز ہے؟ وہ پاک اور قادر خدا کا ایک برگزیدہ بندہ کے ساتھ یا اس کے ساتھ جس کو برگزیدہ
چاہتا ہے ایک زندہ اور باقدرت کلام کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ

اِلہام کے تو صرف یہ معنی ہیں کہ جو کچھ دل میں ڈالا جاوے نیک ہو یا بد وہ الہام ہے اور اس میں
نہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے الفاظ ہوں مگر اِس جگہ ہماری مراد الہام سے وحی الٰہی ہے اور وحی اُس کو کہتے
خدا کا کلام مع الفاظ کسی پر نازل ہو۔

(چشمہ معرفت صفحہ ۶۰ حاشیہ)

وحی کی مثال اگر دُنیا کی چیزوں میں سے کسی چیز کے ساتھ دی جائے تو شاید کسی قدر تار برقی سے مشابہ
اپنے ہر ایک تغیّر کی آپ خبر دیتا ہے۔

(برکات الدعا صفحہ ۲۶)

کلام اور الہام میں فرق یہ ہے کہ الہام کا چشمہ تو گویا ہر وقت مقربوں لوگوں میں بہتا ہے اور وہ رُوح القدس
سے بولتے اور رُوح القدس کے دکھائے دیکھتے اور رُوح القدس کے سنائے سنتے اور اُن کے تمام
ارادے رُوح القدس کے نفخ سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور یہ بات سچ اور بالکل صحیح ہے..... کہ وہ ظلّی طور پر اس آیت کے
مصداق ہوتے ہیں وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى لیکن مکالمہ الٰہیہ ایک الگ امر ہے اور وہ یہ ہے کہ
مشہود طرح خدا تعالیٰ کا کلام ان پر نازل ہوتا ہے اور وہ اپنے سوالات کا خدائے تعالیٰ سے ایسا جواب پاتے ہیں کہ جیسا ایک
دوست دوست کو جواب دیتا ہے اور اس کلام کی اگر ہم تعریف کریں تو صرف اس قدر کر سکتے ہیں کہ وہ اللہ جلّ شانہٗ کی ایک
خاص کلام ہے جو بذریعہ اس کے مقرب فرشتہ کے ظہور میں آتی ہے اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ تا دعا کے قبول
ہونے سے اطلاع دی جائے یا کوئی نئی اور مخفی بات بتائی جائے یا آئندہ کی خبروں پر آگاہی دی جائے یا کسی امر میں خدائے
تعالیٰ کی مرضی اور عدم مرضی پر مطلع کیا جائے یا کسی اور قسم کے واقعات میں یقین اور معرفت کے مرتبہ تک پہنچایا جائے۔ بعلو
وحی ایک الٰہی آواز ہے جو معرفت اور اطمینان سے رنگین کرنے کے لئے منجانب اللہ پیرایہ مکالمہ و مخاطبہ میں ظہور پذیر
ہوتی ہے اور اس سے بڑھ کر اُس کی کیفیت بیان کرنا غیر ممکن ہے کہ وہ صرف الٰہی تحریک اور ربانی نفخ سے بغیر کسی قسم
کے فکر اور تدبر اور خوض اور غور اور اپنے نفس کے دخل کے خدائے تعالیٰ کی طرف سے ایک قدرتی ندا ہے جو لذیذ اور
پُر شوکت الفاظ میں محسوس ہوتی ہے اور اپنے اندر ایک ربانی تجلی اور الٰہی صولت رکھتی ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۳۱ تا ۲۳۲)

جب سماع کے ذریعہ سے کوئی خبر دی جاتی ہے تو اسے وحی کہتے ہیں اور جب رویت کے ذریعہ سے کچھ بتلایا

کشف کہتے ہیں۔ اس طرح میں نے دیکھا ہے کہ بعض وقت ایک ایسا امر ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا تعلق
شامہ سے ہوتا ہے مگر اس کا نام نہیں رکھ سکتے جیسے یوسفؑ کی نسبت حضرت یعقوبؑ کو خوشبو آئی تھی اِنِّیْ لَاَجِدُ
رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ اور کبھی ایک امر ایسا ہوتا ہے کہ جسم اسے محسوس کرتا ہے گویا کہ حواسِ خمسہ کے ذریعہ
تعالیٰ یہی باتیں اظہار کرتا ہے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۱۵ مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۱۴)

کشف کیا ہے یہ رؤیا کا ایک اعلیٰ مقام اور مرتبہ ہے۔ اس کی ابتدائی حالت کہ جس میں غیبت حس ہوتی ہے
خواب (رؤیا) کہتے ہیں جسم بالکل معطل بیکار ہوتا ہے اور حواس کا ظاہری فعل بالکل ساکت ہوتا ہے
کشف میں دوسرے حواس کی غیبت نہیں ہوتی۔ بیداری کے عالم میں انسان وہ کچھ دیکھتا ہے جو کہ وہ نیند کی
میں حواس کے معطل ہونے کے عالم میں دیکھتا تھا۔ کشف اسے کہتے ہیں کہ انسان پر بیداری کے عالم میں ایک
طاری ہو کہ وہ سب کچھ جانتا بھی ہو اور حواسِ خمسہ اس کے کام بھی کر رہے ہوں اور ایک

۵:۴ ۲ سورۃ یوسف: ۹۵

الہام کشف یا رؤیا تین قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ اوّل وہ جو خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور وہ ایسے شخصوں پر نازل ہوتے ہیں جن کا تزکیہ نفس کامل
پر ہوچکا ہوتا ہے اور وہ بہت سی موتوں اور محویتِ نفس کے بعد حاصل ہوا کرتا ہے اور ایسا شخص نفسانی جذبات
سے بکلی الگ ہوتا ہے اور اس پر ایک ایسی موت وارد ہوجاتی ہے جو اس کی تمام اندرونی آلائشوں کو جلا دیتی
ہے جس کے ذریعہ سے وہ خدا تعالیٰ سے قریب اور شیطان سے دُور ہوجاتا ہے کیونکہ جو شخص جس کے قریب
ہوتا ہے اسی کی آواز سُنتا ہے۔

۲۔ دوسرے حدیث النفس ہوتا ہے جس میں انسان کی اپنی تمنا ہوتی ہے اور انسان کے اپنے خیالات
اور آرزوؤں کا اس میں بہت دخل ہوتا ہے اور جیسے مثل مشہور ہے بلی کو چھیچھڑوں کے خواب ہی دکھائی
دیتی ہیں جن کا انسان اپنے دل میں پہلے ہی سے خیال رکھتا ہے اور جیسے بچے جو دن کو کتابیں پڑھتے ہیں رات
کو بعض اوقات وہی کلمات ان کی زبان پر جاری ہوجاتے ہیں یہی حال حدیث النفس کا ہے۔

۳۔ تیسرے شیطانی الہام ہوتے ہیں۔ ان میں شیطان عجیب عجیب طرح کے دھوکے دیتا ہے کبھی
تخت دکھاتا ہے اور کبھی عجیب و غریب نظارے دکھا کر طرح طرح کے خوش کُن وعدے دیتا ہے۔

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۲ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۲)

جس پر کوئی کلام نازل ہو جب تک تین علامتیں اس میں نہ پائی جائیں اس کو خدا کا کلام کہنا اپنے تئیں دھوکہ
میں ڈالنا ہے۔

اوّل۔ وہ کلام قرآن سے مخالف اور معارض نہ ہو مگر یہ علامت بغیر تیسری علامت کے جو ذیل میں لکھی ہے
ناقص ہے بلکہ اگر تیسری علامت نہ ہو تو محض اس علامت سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔

دوم۔ وہ کلام ایسے شخص پر نازل ہو جس کا تزکیہ نفس بخوبی ہوچکا ہو اور وہ اُن فانیوں کی جماعت
میں ہو جو بکلی جذباتِ نفسانیہ سے الگ ہوگئے ہیں اور اُن کے نفس پر ایک ایسی موت وارد ہوگئی ہے جس کے
ذریعہ سے وہ خدا سے قریب اور شیطان سے دُور جا پڑتے ہیں کیونکہ جو شخص جس کے قریب ہے اُسی کی آواز سنتا
ہے پس جو شیطان کے قریب ہے وہ شیطان کی آواز سُنتا ہے اور جو خدا سے قریب ہے وہ خدا کی آواز سنتا
اور انتہائی کوشش انسان کی تزکیہ نفس ہے اور اس پر تمام سلوک ختم ہوجاتا ہے اور دوسرے لفظوں میں یہ وہ
موت ہے جو تمام اندرونی آلائشوں کو جلا دیتی ہے۔ پھر جب انسان اپنا سلوک ختم کرچکتا ہے تو تصرفات الٰہیہ کی
نوبت آتی ہے تب خدا اپنے اس بندہ کو جو سلب جذباتِ نفسانیہ سے فنا کے درجہ تک پہنچ چکا ہے معرفت اور
محبت کی زندگی سے دوبارہ زندہ کرتا ہے اور اپنے فوق العادت نشانوں سے عجائباتِ رُوحانیہ کی اس کو سیر

کراتا ہے اور محبتِ ذاتیہ کی وراء الوراء کشش اس کے دل میں بھر دیتا ہے جس کو دُنیا سمجھ نہیں سکتی۔ اس حالت
میں کہا جاتا ہے کہ اُس کو نئی حیات مل گئی جس کے بعد موت نہیں۔

پس یہ نئی حیات کامل معرفت اور کامل محبت سے ملتی ہے اور کامل معرفت خدا کے فوق العادت نشانوں سے
حاصل ہوتی ہے اور جب انسان اس حد تک پہنچ جاتا ہے تب اُس کو خدا کا سچا مکالمہ مخاطبہ نصیب ہوتا ہے مگر یہ
علامت بھی بغیر تیسرے درجہ کی علامت کے قابلِ اطمینان نہیں کیونکہ کامل تزکیہ ایک امر پوشیدہ ہے اِس لئے
ہر ایک فضول گو ایسا دعویٰ کرسکتا ہے۔

تیسری علامت ملہمِ صادق کی یہ ہے کہ جس کلام کو وہ خدا کی طرف منسوب کرتا ہے خدا کے متواتر افعال اُس پر
گواہی دیں یعنی اس قدر اس کی تائید میں نشانات ظاہر ہوں کہ عقلِ سلیم اس بات کو ممتنع سمجھے کہ باوجود اس قدر
نشانوں کے پھر بھی وہ خدا کا کلام نہیں اور یہ علامت درحقیقت تمام علامتوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ایک
کلام جو کسی کی زبان پر جاری ہو یا کسی نے بادعائے الہام پیش کیا ہو وہ اپنے معنوں کی رُو سے قرآن شریف
کے بیان سے مخالف نہ ہو بلکہ مطابق ہو مگر پھر بھی وہ کسی مُفتری کا افترا ہو کیونکہ ایک عقلمند جو مسلمان ہے مگر مفتری
ہے ضرور اس بات کا لحاظ رکھے گا کہ قرآن شریف کے مخالف کوئی کلام بدعویٰ الہام پیش نہ کرے ورنہ خواہ نخواہ
لوگوں کے اعتراضات کا نشانہ ہوجائے گا اور نیز یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کلام حدیث النفس ہو یعنی نفس کی طرف سے
ایک کلام زبان پر جاری ہو جیسے اکثر بچے جو دن کو کتابیں پڑھتے ہیں رات کو بعض اوقات وہی کلمات ان کی زبان پر
جاری ہوجاتے ہیں۔ غرض کسی کلمہ کا جو بدعویٰ الہام پیش کیا گیا ہے قرآن شریف سے مطابق ہونا اس بات پر قطعی
دلیل نہیں ہے کہ وہ ضرور خدا کا کلام ہے۔ کیا ممکن نہیں کہ ایک کلام اپنے معنوں کی رُو سے خدا کے کلام کے
مطابق بھی ہو اور پھر وہ کسی مفتری کا افترا بھی ہو کیونکہ ایک مفتری بڑی آسانی سے یہ کارروائی کرسکتا ہے کہ وہ
قرآن شریف کی تعلیم کے موافق ایک کلام پیش کرے اور کہے کہ یہ خدا کا کلام ہے جو میرے پر نازل ہوا ہے اور
ایسا کلام حدیث النفس بھی ہوسکتا ہے یا شیطانی کلام ہوسکتا ہے۔

ایسا ہی یہ دوسری شرط بھی یعنی یہ کہ جو الہام کا دعویٰ کرے وہ صاحبِ تزکیہ نفس ہو قابلِ اطمینان نہیں بلکہ
ایک پوشیدہ امر ہے اور بہتیرے ناپاک طبع لوگ اس بات کا دعویٰ کرسکتے ہیں کہ ہمارا نفس تزکیہ یافتہ ہے اور
ہم خدا سے ذاتی محبت رکھتے ہیں۔ پس یہ امر بھی کوئی سہل امر نہیں کہ اس میں جلد تر تمیز ہوسکے اور کاذب میں فیصلہ کیا
جائے۔ یہی وجہ ہے کہ کئی خبیث النفس لوگوں نے اُن برگزیدوں پر جو صاحبِ تزکیہ نفس تھے ناپاک تہمتیں لگائیں
جیسا کہ پادری ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمتیں لگاتے ہیں اور نعوذ باللہ کہتے
ہیں کہ نفسانی شہوات کا اتباع کرتے تھے جیسا کہ ان کے ہزاروں رسالوں اور اخباروں اور کتابوں میں

ایسی تہمتیں پاؤ گے۔ ایسا ہی یہودی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے ہیں چنانچہ تھوڑے دن
ہوئے ہیں کہ میں نے ایک یہودی کی کتاب دیکھی جس میں نہ صرف یہ ناپاک اعتراض تھا کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ کی
ولادت ناجائز طور پر ہے بلکہ آپ کے چال وچلن پر بھی نہایت گندے اعتراض کئے تھے اور جو آپ کی خدمت میں
بعض عورتیں رہتی تھیں بہت بُرے پیرایہ میں اُن کا ذکر کیا تھا۔ پس جبکہ پلید طبع دشمنوں نے ایسے پاک فطرت
مقدس لوگوں کو شہوت پرست لوگ قرار دیا اور تزکیۂ نفس سے محض خالی سمجھا تو اس سے ہر ایک شخص معلوم کر سکتا
ہے کہ تزکیۂ نفس کا مرتبہ دشمنوں پر ظاہر ہو جانا کس قدر مشکل ہے چنانچہ آریہ لوگ خدا تعالیٰ کے تمام نبیوں کو
مکار اور شہوت پرست قرار دیتے ہیں اور اُن کا دَور مکر وفریب کا دَور ٹھہراتے ہیں۔

لیکن یہ تیسری علامت کہ الہام اور وحی کے ساتھ جو ایک قول ہے اس کے ساتھ خدا کا ایک فعل بھی ہو
ایسی کامل علامت ہے جو کوئی اس کو توڑ نہیں سکتا۔ یہی علامت ہے جس سے خدا کے سچے نبی جھوٹوں پر غالب
آتے رہے ہیں کیونکہ جو شخص دعویٰ کرے کہ میرے پر خدا کا کلام نازل ہوتا ہے پھر اس کے ساتھ صدہا نشان ظاہر
ہوں اور ہزاروں قسم کی تائید اور نصرتِ الٰہی شاملِ حال ہو اور اس کے دشمنوں پر خدا کے کھلے کھلے حملے ہوں پھر کس
کی مجال ہے کہ ایسے شخص کو جھوٹا کہہ سکے مگر افسوس کہ دنیا میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں کہ اس بلا میں مبتلا
ہیں کہ کوئی حدیث النفس یا شیطانی وسوسہ اُن کو پیش آجاتا ہے تو اس کو خدا تعالیٰ کا کلام سمجھ لیتے ہیں اور فعلی
شہادت کی کچھ بھی پرواہ نہیں رکھتے۔

ہاں یہ بھی ممکن ہے کہ کسی کو کبھی شاذ و نادر کے طور پر کوئی سچی خواب آجائے یا سچا الہام ہو جائے مگر
صرف اس قدر سے مامور من اللہ نہیں کہلا سکتا اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ نفسانی تاریکیوں سے پاک ہے بلکہ اس قدر
رؤیا اور الہام میں قریباً تمام دنیا شریک ہے اور یہ کچھ بھی چیز نہیں اور یہ مادہ کبھی کبھی خواب یا الہام ہونے کا محض
اس لئے انسانوں کی فطرت میں رکھا گیا ہے تا ایک عقلمند انسان خدا کے برگزیدہ رسولوں پر بدظنی نہ کر سکے اور
سمجھ سکے کہ وحی اور الہام کا ہر ایک انسان کی فطرت میں تخم داخل ہے پھر اس کی کامل ترقی سے انکار کرنا حماقت
ہے۔

لیکن وہ لوگ جو خدا کے نزدیک ملہم اور مکلّم کہلاتے ہیں اور مکالمہ اور مخاطبہ کا شرف رکھتے ہیں اور دعوت
خلق کے لئے مبعوث ہوتے ہیں ان کی تائید میں خدا تعالیٰ کے نشان بارش کی طرح برستے ہیں اور دنیا ان کا مقابلہ
نہیں کر سکتی اور فعلِ الٰہی اپنی کثرت کے ساتھ گواہی دیتا ہے کہ جو کلام وہ پیش کرتے ہیں وہ کلامِ الٰہی ہے
اگر الہام کا دعویٰ کرنے والے اس علامت کو مدِ نظر رکھتے تو وہ اس فتنہ سے بچ جاتے۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۹ تا ۱۰۲)

کیسے افسوس اور تعجب کا مقام ہے کہ انسانی فطرت پر تو مُہر نہ لگی۔ اس میں تو معرفتِ حقیقی کی وہی بھوک اور پیاس موجود
ہے لیکن الہام پر مُہر لگا دی گئی جو معرفتِ الٰہی کا سرچشمہ تھا۔ افسوس بھوک میں غذا پھینک دی گئی اور پیاس کی حالت
میں پانی لے لیا گیا۔

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۷ء صفحہ ۷)

یہ ہم قبول نہیں کر سکتے کہ الہام کی مہر سے صحف ہی اُلٹ دی جائے اور ہمارے ہاتھ
میں صرف ایسے قصے ہوں جن کو ہم نے بچشمِ خود دیکھا نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ایک امر صدہا سال سے قصے کی صورت
میں چلا جائے اور اس کی تصدیق کے لئے کوئی تازہ نمونہ پیدا نہ ہو تو اکثر طبیعتیں جو فلسفی رنگ اپنے اندر رکھتی
ہیں ان قصوں کو بغیر قوی دلیل کے قبول نہیں کر سکتیں خاص کر جبکہ قصے ایسی باتوں پر دلالت کریں کہ جو ہمارے زمانہ میں
خلافِ قیاس معلوم ہوں یہی وجہ ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد ہمیشہ فلسفی طبع آدمی ایسی کرامتوں پر ٹھٹھا کرتے آئے ہیں
اور شبہ کی حد تک بھی نہیں ٹھہرتے اور یہ ان کا حق بھی ہوتا ہے کیونکہ ان کے دل میں گذرتا ہے کہ جب کہ وہی خدا
ہے اور وہی صفات اور وہی ضرورتیں ہمیں پیش ہیں تو پھر الہام کا سلسلہ کیوں بند ہے حالانکہ تمام روحیں شور ڈال
رہی ہیں کہ ہم بھی تازہ معرفت کے محتاج ہیں اسی وجہ سے ہندوؤں میں لاکھوں انسان دہریہ ہو گئے کیونکہ بار بار پنڈتوں
نے ان کو یہی تعلیم دی کہ کروڑہا سال سے الہام اور کلام کا سلسلہ بند ہے۔ اب ان کو یہ شبہات دل میں گذرے کہ وید
کے زمانہ کی نسبت ہمارا زمانہ پرمیشر کے تازہ الہامات کا بہت محتاج تھا۔ پھر اگر الہام ایک حقیقتِ حقہ ہے تو وید کے
بعد اس کا سلسلہ کیوں قائم نہ رہا اسی وجہ سے آریہ ورت میں دہریت پھیل گئی۔ (ضرورت الامام صفحہ ۲۰)

بنی نوع انسان کا ایمان تازہ رکھنے کے لئے تازہ الہامات کی ہمیشہ ضرورت ہے اور وہ الہامات اقتداری
قوت سے شناخت کئے جاتے ہیں کیونکہ خدا کے سوا کسی شیطان جن بھوت میں اقتداری قوت نہیں ہے اور
امام الزمان کے الہام سے باقی الہامات کی صحت ثابت ہوتی ہے۔ (ضرورت الامام صفحہ ۲۲)

وہ خدا جو اس دنیا کا بنانے والا اور آئندہ زندگی کی جاودانی امیدیں اور بشارتیں دینے والا ہے اس کا قدیم
سے یہ قانونِ قدرت ہے کہ غافل لوگوں کی معرفت زیادہ کرنے کے لئے بعض اپنے بندوں کو اپنی طرف سے الہام
بخشتا ہے اور ان سے کلام کرتا ہے اور اپنے آسمانی نشان اُن پر ظاہر کرتا ہے اور اس طرح وہ خدا کو روحانی آنکھوں
سے دیکھ کر اور یقین اور محبت سے معمور ہو کر اس لائق ہو جاتے ہیں کہ وہ دوسروں کو بھی اس زندگی کے چشمہ کی طرف
کھینچیں جس سے وہ پیتے ہیں تا نفس لوگ خدا سے پیار کر کے ابدی نجات کے مالک ہوں اور ہر ایک وقت میں جب
دنیا میں خدا کی محبت ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور غفلت کی وجہ سے حقیقی پاک باطنی میں فتور آتا ہے تو خدا کسی کو اپنے بندوں
میں سے الہام دے کر دلوں کو صاف کرنے کے لئے کھڑا کر دیتا ہے۔ سو اس زمانہ میں اس کام کے لئے جس شخص کو
اس نے اپنے ہاتھ سے صاف کر کے کھڑا کیا ہے وہ یہی عاجز ہے۔ (کشف الغطاء صفحہ ۱۰، ۱۱)

سچی وحی کا خدا تعالیٰ نے یہی نشان دیا ہے کہ جب وہ نازل ہوتی ہے تو ملائک بھی اس کے ساتھ
ہیں اور دُنیا دن بدن راستی کی طرف پلٹا کھاتی جاتی ہے۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۵۰، ۴۴)

وَمَنْ تَفَوَّهَ بِكَلِمَةٍ لَيْسَ لَهُ اَصْلٌ صَحِيْحٌ فِي الشَّرْعِ مُلْهَمًا كَانَ اَوْ مُجْتَهِدًا فَبِهِ الشَّيَاطِيْنُ مُتَلَاعِبَةٌ۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۲۱)

سچا الہام جو خالص خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے مندرجہ ذیل علامتیں اپنے ساتھ رکھتا ہے:۔

(۱) وہ اِس حالت میں ہوتا ہے کہ جب کہ انسان کا دِل آتشِ درد سے گداز ہو کر مصفا پانی کی طرح کی طرف بہتا ہے۔ اسی طرف حدیث کا اشارہ ہے کہ قرآن غم کی حالت میں نازل ہُوا لہٰذا تم بھی اس کو دِل کے ساتھ پڑھو۔

(۲) سچا الہام اپنے ساتھ ایک لذّت اور سرور کی خاصیت لاتا ہے اور نامعلوم وجہ سے یقین بخش اور ایک فولادی میخ کی طرح دِل کے اندر دھنس جاتا ہے اور اس کی عبارت فصیح اور غلطی سے پاک ہوتی ہے۔

(۳) سچے اِلہام میں ایک شوکت اور بلندی ہوتی ہے اور دل پر اس سے مضبوط ٹھوکر لگتی ہے اور قوت اور رُعبناک آواز کے ساتھ دِل پر نازل ہوتا ہے مگر جھوٹے اِلہام میں چوروں اور مخنثوں اور عورتوں کی سی آواز ہوتی ہے کیونکہ شیطان چور اور مخنث اور عورت ہے۔

(۴) سچا الہام خدا تعالیٰ کی طاقتوں کا اثر اپنے اندر رکھتا ہے اور ضرور ہے کہ اس میں پیشگوئیاں بھی ہوں اور وہ پوری بھی ہو جائیں۔

(۵) سچا الہام انسان کو دن بدن نیک بناتا جاتا ہے اور اندرونی کثافتیں اور غلاظتیں پاک کرتا ہے اور اخلاقی حالتوں کو ترقی دیتا ہے۔

(۶) سچے الہام پر انسان کی تمام اندرونی قوتیں گواہ ہو جاتی ہیں اور ہر ایک قوت پر ایک نئی اور پاک روشنی پڑتی ہے اور انسان اپنے اندر ایک تبدیلی پاتا ہے اور اس کی پہلی زندگی مَر جاتی ہے اور نئی زندگی شروع ہوتی ہے اور وہ بنی نوع کی ایک عام ہمدردی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

(۷) سچا الہام ایک ہی آواز پر ختم نہیں ہوتا کیونکہ خدا کی آواز ایک سلسلہ رکھتی ہے۔ وہ نہایت ہی حلیم ہے جس کی طرف توجہ کرتا ہے اس سے مکالمت کرتا ہے اور سوالات کا جواب دیتا ہے اور ایک ہی مکان اور ایک

ترجمہ از مرتب:۔ جو شخص بھی ایسا کلمہ مُنہ سے نکالتا ہے جس کی حقیقی بنیاد شریعت پر نہ ہو خواہ وہ مُلہم ہو یا مجتہد اس کے ساتھ شیاطین کھیل رہے ہوتے ہیں۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۲۱)

... پے معروضات کا جواب پا سکتا ہے گو اس مکالمہ پر کسی فترت کا زمانہ بھی آ جاتا ہے۔

سچے الہام کا انسان کبھی بزدل نہیں ہوتا اور کسی مدعی الہام کے مقابلہ سے اگرچہ وہ کیسا ہی مخالف ہو نہیں ... ہوتا ہے کہ میرے ساتھ خدا ہے اور وہ اس کو ذلت کے ساتھ شکست دے گا۔

(۹) سچا الہام اکثر علوم اور معارف کے جاننے کا ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ خدا اپنے ملہم کو بے علم اور جاہل رکھنا ...

... سچے الہام کے ساتھ اور بھی بہت سی برکتیں ہوتی ہیں اور کلیم اللہ کو غیب سے عزت دی جاتی ہے اور ... عطا کیا جاتا ہے۔ (ضرورۃ الامام صفحہ ۱۸، ۱۹)

خدا کا الہام غلطی سے پاک ہوتا ہے مگر انسان کا کلام غلطی کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ سہو و نسیان لازمۂ بشریت ... (ایامُ الصلح صفحہ ۱۴۱)

جو لوگ شیطان سے الہام پاتے ہیں ان کے الہاموں کے ساتھ کوئی قادرانہ غیب گوئی کی روشنی نہیں ہوتی ... الوہیت کی قدرت اور عظمت اور ہیبت بھری ہوئی ہو۔ (ضمیمہ تریاق القلوب نمبر ۵ صفحہ ۲)

خدا کا کلام جس قوت اور برکت اور روشنی اور تاثیر اور لذت اور خدائی طاقت اور چمکتے ہوئے چہرہ کے ساتھ ... نازل ہوتا ہے خود یقین دلا دیتا ہے کہ میں خدا کی طرف سے ہوں اور ہرگز مُردہ آوازوں سے مشابہت نہیں ... بلکہ اس کے اندر ایک جان ہوتی ہے اور اس کے اندر ایک طاقت ہوتی ہے اور اس کے اندر ایک ... کشش ہوتی ہے اور اس کے اندر یقین بخشنے کی ایک خاصیت ہوتی ہے اور اس کے اندر ایک لذت ہوتی ... ہے اور اس کے اندر ایک روشنی ہوتی ہے اور اس کے اندر ایک خارق عادت تجلی ہوتی ہے اور اس کے ... ذرہ ذرہ وجود پر تصرف کرنے والے ملائک ہوتے ہیں اور علاوہ اس کے اس کے ساتھ خدائی صفات کے ... بہت سے خوارق ہوتے ہیں۔ (نزول المسیح صفحہ ۸۶)

جس دل پر درحقیقت آفتاب وحی تجلی فرماتا ہے اس کے ساتھ ظن اور شک کی تاریکی ہرگز نہیں رہتی۔ کیا خاص ... کے ساتھ ظلمت رہ سکتی ہے۔ (نزول المسیح صفحہ ۸۵)

اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ پھر رحمانی الہام کی نشانی کیا ہے۔ اس کا جواب یہی ہے کہ اس کی کئی نشانیاں ...

(۱) اوّل یہ کہ الٰہی طاقت اور برکت اس کے ساتھ ایسی ہوتی ہے کہ اگرچہ اور دلائل ابھی ظاہر نہ ہوں وہ ... بڑے جوش اور زور سے بتلاتی ہے کہ میں خدا کی طرف سے ہوں اور مُلہم کے دِل کو ایسا اپنا مسخر بنا لیتی ... کہ اگر اس کو آگ میں کھڑا کر دیا جائے یا ایک بجلی اس پر پڑنے لگے وہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ الہام شیطانی ہے

یا حدیث النفس ہے یا شکی ہے یا ظنی ہے بلکہ ہر دم اس کی روح بولتی ہے کہ یقینی ہے اور خدا کا کلام
(۲) دوسرے خدا کے الہام میں ایک خارق عادت شوکت ہوتی ہے (۳) تیسری وہ پُر زور آواز اور
نازل ہوتا ہے (۴) چوتھی اس میں ایک لذت ہوتی ہے (۵) اکثر اس میں سلسلہ سوال و جواب پیدا ہو
بندہ سوال کرتا ہے خدا جواب دیتا ہے اور پھر بندہ سوال کرتا ہے خدا جواب دیتا ہے۔ خدا کا جواب پا
وقت بندہ پر ایک غنودگی طاری ہوتی ہے لیکن صرف غنودگی کی حالت میں کوئی کلام زبان پر جاری ہونا
قطعی دلیل نہیں کیونکہ اس طرح پر شیطانی الہام بھی ہو سکتا ہے (۶) چھٹی وہ الہام کبھی ایسی زبانوں میں
جن کا ملہم کو کچھ بھی علم نہیں (۷) خدائی الہام میں ایک خدائی کشش ہوتی ہے۔ اول وہ کشش
اور انقطاع کی طرف کھینچ لے جاتی ہے اور آخر اس کا اثر بڑھتا بڑھتا طبائع سلیمہ متبعین پر جا پڑتا
ایک دنیا اس کی طرف کھینچی جاتی ہے اور بہت سی روحیں اس کے رنگ میں بقدر استعداد آ جاتی ہیں (۸)
سچا الہام غلطیوں سے نجات دیتا اور بطور حَکَم کے کام کرتا ہے اور قرآن شریف کے کسی بیان میں مخالف نہ
(۹) سچے الہام کی پیشگوئی فی حدِ ذاتہ سچی ہوتی ہے گو اس کے سمجھنے میں لوگوں کو دھوکا ہو (۱۰) دسویں
تقویٰ کو بڑھاتا اور اخلاقی قوتوں کو زیادہ کرتا اور دنیا سے دل برداشتہ کرتا اور معاصی سے متنفر کرتا
سچا الہام چونکہ خدا کا قول ہے اس لئے وہ اپنی تائید کے لئے خدا کے فعل کو ساتھ لاتا ہے اور اکثر
پر مشتمل ہوتا ہے جو سچی نکلتی ہیں اور قول اور فعل دونوں کی آمیزش سے یقین کے دریا جاری ہو
اور انسان سفلی زندگی سے منقطع ہو کر ملکوتی صفات بن جاتا ہے۔ (نزول المسیح صفحہ

وَإِذَا جَاءَنِي الْوَحْيُ بِكَمَالِهِ وَكَشَفَ الدُّجَى بِجَمَالِهِ. قُلْتُ يَا وَحْيَ رَبِّي أَهْلًا وَسَهْلًا
وَعَزَّ نَادِيكَ. أَنْتَ الَّذِي يَهَبُ لِلْعُمْيِ الْعُيُونَ وَلِلصُّمِّ الْكَلَامَ الْمَوْزُونَ. وَيُحْيِي الْأَمْوَاتَ وَيُرِي
..... أَنْتَ الَّذِي يُضْبِي الْقُلُوبَ وَيُزِيلُ الْكُرُوبَ وَيُنْزِلُ السَّكِينَةَ وَيُشَابِهُ سَفِينَةً.

(مواہب الرحمٰن صفحہ

(ترجمہ از مرتب) جب وحی میرے پاس اپنے پورے کمال کے ساتھ آئی اور اس نے اپنے جمال سے
ہر قسم کی تاریکی کو دور کر دیا تو میں نے کہا اے میرے رب کی وحی تجھے خوش آمدید کہتا ہوں۔ تیرے نیفان
وادی وسیع ہو اور تیری مجلس باعزت ہو۔ تو وہ ہے جو اندھوں کو آنکھیں بخشتی اور بہروں کو کلام موزوں
ہے اور مُردوں کو زندہ کرتی اور نشانات دکھاتی ہے ..... تو وہ ہے جو دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے
کو دور کرتی اور دلوں پر سکینت نازل کرتی ہے اور کشتی کے مشابہ ہے۔ (مواہب الرحمٰن صفحہ

مکالمات اور مخاطباتِ الٰہیہ سے اس قسم کے کلمات مراد نہیں ہیں جن کی نسبت خود ملہم متردد ہو کہ آیا وہ شیطانی ہیں
یا رحمانی۔ ایسے بے برکت کلمات جن میں شیطان بھی شریک ہو سکتا ہے شیطانی ہی سمجھنے چاہئیں کیونکہ خدائے تعالیٰ کے
پاک اور بابرکت اور لذیذ کلمات شیطان کے کلمات سے مشابہ نہیں ہو سکتے اور جن دلوں میں بباعث طہارت کاملہ شیطان
کا کچھ حصہ نہیں رہتا ان کی وحی میں بھی شیطان کا کچھ حصہ نہیں رہتا اور شیطان انہیں نجس دلوں پر اُترتا ہے جو شیطان کی
طرح اپنے اندر ناپاکی رکھتے ہیں۔ پاک نفسوں پر پاک کا کلام نازل ہوتا ہے اور پلید نفسوں پر پلید کا۔
اور اگر ایک انسان اپنے الہام میں متحیر ہے اور نہیں جانتا کہ وہ شیطان کی طرف سے ہے یا خدا کی طرف سے۔ ایسے
شخص کا الہام اس کے لئے آفتِ جان ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اس الہام کی بناء پر کسی نیک کو بد قرار دے حالانکہ وہ
شیطان کی طرف سے ہو اور ممکن ہے کہ کسی بد کو نیک قرار دے حالانکہ وہ سراسر شیطانی تعلیم ہو اور یہ بھی ممکن ہے
ایک امر کو جو الہام کے ذریعہ سے اس کو معلوم ہوا ہے خدا کا امر سمجھ کر بجا لا دے حالانکہ وہ شیطان نے حکم دیا ہو اور
اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ایک حکم شیطان کا حکم سمجھ کر ترک کر دے حالانکہ وہ خدا تعالیٰ کا حکم ہو۔
صاف ظاہر ہے کہ بجز ایک قطعی فیصلہ کے یعنی بجز اس امر کے کہ دل اس یقین سے پُر ہو کہ درحقیقت یہ خدا کا کلام
ہے اس کے کرنے کے لئے پوری استقامت حاصل نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ ظاہر شرع کو ان
پر کچھ اعتراض بھی ہوتا ہے جیسا کہ خضر کے کام پر ظاہر شرع کو سراپا اعتراض تھا۔ نبیوں کی تمام شریعتوں میں سے کسی شریعت
میں یہ حکم نہیں کہ ایک بے گناہ بچہ کو قتل کر دو۔ پس اگر خضر کو یہ یقین نہ ہوتا کہ یہ وحی خدا کی طرف سے ہے تو وہ کبھی قتل نہ
کرتا اور اگر موسیٰ کی ماں کو یقین نہ ہوتا کہ اس کی وحی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تو کبھی اپنے بچہ کو دریا میں نہ ڈالتی۔
اب ظاہر ہے کہ ایسا الہام کس طرح فخر کے لائق ہو سکتا اور کس طرح اس کے ضرر سے انسان امن میں رہ سکتا
ہے جس کی نسبت کبھی تو اس کا یہ خیال ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور کبھی یہ خیال ہے کہ شیطان کی طرف سے
ہے۔ ایسا الہام تو آفتِ جان اور آفتِ ایمان ہے بلکہ ایک بلا ہے جس سے کبھی نہ کبھی وہ ہلاک ہو سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ ایسا
نہیں ہے کہ اپنے ان بندوں کو جو تعلقاتِ نفسِ امارہ سے الگ ہو کر محض اس کے ہو جاتے ہیں اور اس کی محبت کی
آگ سے تمام ماسوا اللہ کو جلا دیتے ہیں وہ اپنے ایسے بندوں کو شیطان کے پنجہ میں گرفتار کرے اور سچ تو یہ ہے کہ جس
طرح روشنی اور تاریکی میں فرق ہے اسی طرح شیطانی وساوس اور خدا تعالیٰ کی پاک وحی میں فرق ہے۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۴۱، ۱۴۲)

الہام کچھ شے نہیں جب تک کہ انسان اپنے تئیں شیطان کے دخل سے پاک نہ کر لے اور بے جا تعصبوں اور
کینوں اور حسدوں سے اور ہر ایک خدا کو ناراض کرنے والی بات سے اپنے آپ کو صاف نہ کرے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۸ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۳)

رکھتا۔ اُس وقت زبان ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا یہ اپنی زبان نہیں اور ایک دوسری زبردست طاقت اس کو
لے رہی ہے۔

(برکات الدعا صفحہ ۲۲، ۲۳ حاشیہ)

مَیں نے دیکھا ہے کہ اُس وحی کے وقت جو برنگِ وحی ولایت میرے پر نازل ہوتی ہے ایک خارجی اور شدید
تصرّف کا احساس ہوتا ہے اور بعض دفعہ یہ تصرّف ایسا قوی ہوتا ہے کہ مجھ کو اپنے انوار میں ایسا دبا لیتا ہے کہ میں دیکھتا
ہوں کہ مَیں اُس کی طرف ایسا کھینچا گیا ہوں کہ میری کوئی قوت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس تصرّف میں کھلا اور
کلام سُنتا ہوں۔ بعض دفعہ ملائکہ کو دیکھتا ہوں اور سچائی میں جو اثر اور ہیبت ہوتی ہے مشاہدہ کرتا ہوں اور وہ کلام اکثر
غیب کی باتوں پر مشتمل ہوتا ہے اور ایسا تصرّف اور اخذ خارجی ہوتا ہے جس سے خدا تعالیٰ کا ثبوت ملتا ہے اس
سے انکار کرنا بھی ایک کُھلی کُھلی صداقت کا خون کرنا ہے۔

(برکات الدعا صفحہ ۲۶)

وحیٔ الٰہی کے نزول کے وقت کی غنودگی بھی ایک خارق عادت امر ہے۔ یہ جسم کے طبعی اسباب سے پیدا نہیں
ہوتی بلکہ جہاں تک ضرورتوں کا سامان پیش ہو ہر ایک ضرورت اور دعا کے وقت محض قدرت سے غنودگی پیدا ہو
جاتی ہے مادی اسباب کا کچھ بھی اس میں دخل نہیں ہوتا۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۶۸ حاشیہ)

الہام کے بارے میں ہمارا تجربہ ہے کہ تھوڑی سی غنودگی ہو کر اور بعض اوقات بغیر غنودگی کے خدا کا کلام ٹکڑہ
ٹکڑہ ہو کر زبان پر جاری ہوتا ہے جب ایک ٹکڑہ ختم ہو چکتا ہے تو حالتِ غنودگی جاتی رہتی ہے پھر ملہم کے کسی سوال
سے یا خود بخود خدا تعالیٰ کی طرف سے دوسرا ٹکڑہ الہام ہوتا ہے اور وہ بھی اسی طرح کہ تھوڑی غنودگی وارد ہو کر زبان
پر جاری ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح بسا اوقات ایک ہی وقت میں تسبیح کے دانوں کی طرح نہایت بلیغ فصیح لذیذ فقرے
غنودگی کی حالت میں زبان پر جاری ہوتے جاتے ہیں اور ہر ایک فقرہ کے بعد غنودگی دُور ہو جاتی ہے اور وہ فقرے
یا تو قرآن شریف کی بعض آیات ہوتی ہیں یا اس کے مشابہ ہوتے ہیں اور اکثر علومِ غیبیہ پر مشتمل ہوتے ہیں اور ان
میں ایک شوکت ہوتی ہے اور دِل پر اُتر آتے ہیں اور ایک لذت محسوس ہوتی ہے اس وقت دل نور میں غرق ہوتا
ہے گویا خدا اس میں نازل ہوتا ہے اور در اصل اس کو الہام نہیں کہنا چاہیئے بلکہ یہ خدا کا کلام ہے۔

(چشمۂ معرفت صفحہ ۳۰۰ حاشیہ)

وحی کا قاعدہ ہے کہ اجمالی رنگ میں نازل ہُوا کرتی ہے اور اس کے ساتھ ایک تفہیم ہوتی ہے۔ مثلاً جب آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے کا حکم ہُوا تو ساتھ کشفی رنگ میں نماز کا طریق، اس کی رکعات کی تعداد، اوقاتِ نماز وغیرہ
بتا دیا گیا تھا۔ علیٰ ھٰذا القیاس۔

الحکم 24 جنوری 1901ء

اسی طرح وہ خدا جو تمام

ہستیوں کا علت العلل ہے جیسا کہ اس کا دیدار اعلیٰ درجہ کی لذت کا سرچشمہ ہے ایسا ہی
اُس کی گفتار بھی لذات کا سرچشمہ ہے۔ اگر ایک کلام انسان سُنے یعنے ایک آواز اُس کے
دل پر پہنچے اور اس کی زبان پر جاری ہو اور اُس کو شبہ باقی رہ جاوے کہ شاید یہ شیطانی
آواز ہے یا حدیث النفس ہے تو درحقیقت وہ شیطانی آواز ہوگی یا حدیث النفس ہوگی
کیونکہ خدا کا کلام جس قوت اور برکت اور روشنی اور تاثیر اور لذت اور خدائی طاقت اور چمکتے ہوئے
چہرہ کے ساتھ دل پر نازل ہوتا ہے خود یقین دلا دیتا ہے کہ مَیں خدا کی طرف سے ہوں اور ہرگز مُردہ
آوازوں سے مشابہت نہیں رکھتا بلکہ اُسکے اندر ایک جان ہوتی ہے اور اُس کے اندر ایک طاقت
ہوتی ہے اور اُسکے اندر ایک کشش ہوتی ہے اور اُسکے اندر یقین بخشنے کی ایک خاصیت ہوتی
ہے اور اُسکے اندر ایک لذت ہوتی ہے اور اُسکے اندر ایک روشنی ہوتی ہے اور اُس کے اندر
ایک خارق عادت تجلّی ہوتی ہے اور اُس کے ساتھ ذرّہ ذرّہ وجود پر تصرف کرنے والے
ملایک ہوتے ہیں اور علاوہ اسکے اسکے ساتھ خدائی صفات کے اور بہت سے خوارق ہوتے
ہیں اسلئے ممکن ہی نہیں ہوتا کہ ایسی وحی کے مورد کے دِل میں شبہ پیدا ہو سکے بلکہ وہ شبہ کو
کفر سمجھتا ہے اور اگر اُس کو کوئی اور معجزہ نہ دیا جاوے تو وہ اُس وحی کو جو اِن صفات پر مشتمل ہے
بجائے خود ایک معجزہ قرار دیتا ہے۔ ایسی وحی جس شخص پر نازل ہوتی ہے اُس شخص کو خدا کی راہ میں
اور خدا کی محبت میں ایسے عاشق زار کی طرح بنا دیتی ہے جو اپنے تئیں صدق و ثبات کے کمال کی
وجہ سے دیوانہ کی طرح بنا دیتا ہے اس کا یقین اُسکے دل کو شہنشاہ کر دیتا ہے وہ میدان کا
بہادر اور استغناء کے تخت کا مالک بن جاتا ہے۔ یہی میرا حال ہے جس کو دنیا
نہیں جانتی۔ قبل اس کے جو مَیں معجزات دیکھوں اور آسمانی تائید دل کا مشاہدہ کروں میں
اسکی کلام سے ہی اسکی طرف ایسا کھینچا گیا کہ کچھ اٹکل نہیں آتی کہ مجھے کیا ہو گیا۔

دُنیا میں دنیوی علوم بھی تعلیم کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوتے رہے ہیں اور اگر مثلاً ایک کروڑ شیر خوار بچے کو بھی کسی تہہ خانہ میں تعلیم سے دُور رکھ کر پرورش کیا جاوے تو قطع نظر اس سے کہ وہ بچے علوم طبیعی اور ہندسہ اور ہیئت وغیرہ خود بخود سیکھ لیں کلام کرنے سے بھی عاجز رہ جائیں گے، اور گنگوں کی طرح ہوں گے اور اُن میں سے ایک بھی خود بخود پڑھا لکھا نہیں نکلیگا۔ پھر جبکہ دنیوی علوم بلکہ علم زبان بھی بغیر تعلیم اور سکھلانے کے نہیں آسکتے تو اس خدا کا خود بخود پتہ کیونکر لگے جس کا وجود نہایت لطیف اور ایک ذرہ سے بھی دقیق تر اور غیب در غیب اور نہاں در نہاں ہے، اس لئے یہ گمان نہایت سادہ لوحی کا خیال ہے کہ وہ عاجز انسان جو صدہا تاریکیوں میں پڑا ہوا ہے وہ اس ذات بیچوں اور بیچگوں اور وراء الورا اور نہایت پوشیدہ اور الطف اور ادق کو خود بخود دریافت کرے اور اس سے زیادہ کوئی شرک بھی نہیں کہ انسان جو ایک مرے ہوئے کیڑے کی مانند ہے یہ پُر تکبر دعوے کرے کہ میں خود بغیر امداد اس کی چراغ ہدایت کے اس کو دیکھ سکتا ہوں بلکہ قدیم سے یہ سنت اللہ ہے کہ جب سے کہ دُنیا پیدا ہوئی ہے وہ آپ اپنے برگزیدہ بندوں پر اپنا موجود ہونا ظاہر کرتا رہا ہے اور بغیر ذریعہ خدا کے کوئی خدا تک پہنچ نہیں سکا اور وہی شخص اس کی ہستی پر پورا یقین لا سکا جس کو خود اس قادر مقتدر ذوالجلال نے انا الموجود کی آواز سے تسلی بخشی اور یا وہ شخص جو ایسی آواز سُننے والے کے ساتھ محبت کے پیوند سے یک دل و یکجان و یکرنگ ہو گیا سو دنیا میں یہ دو ہی طریق ہیں جو خدا تعالے کے قدیم قانون قدرت میں پائے جاتے ہیں اور چونکہ خدا تعالیٰ نے ابتدا سے یہی چاہا کہ اس کی مخلوقات یعنی نباتات جمادات حیوانات یہاں تک کہ اجسام علوی میں بھی تفاوت مراتب پایا جائے، اور بعض مفیض اور بعض مستفیض ہوں اس لئے اُس نے نوع انسان میں بھی یہی قانون رکھا، اور اسی لحاظ سے دو طبقہ کے انسان پیدا کئے۔ اوّل وہ جو اعلیٰ استعداد کے لوگ ہیں جن کو آفتاب کی طرح بلا واسطہ ذاتی روشنی عطا کی گئی ہے۔ دوسرے وہ جو درجہ دوم کے آدمی ہیں جو اس آفتاب کے واسطہ سے نور حاصل کرتے ہیں اور خود بخود حاصل نہیں کر سکتے۔ ان دونوں طبقوں کے لئے آفتاب اور ماہتاب نہایت عمدہ نمونے ہیں ج

جاننا چاہیئے کہ دلیل دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک لمّی۔ اور لمّی دلیل اس کو کہتے ہیں کہ دلیل سے مدلول کا پتہ لگا لیں۔ جیسا کہ ہم نے ایک جگہ دھوآں دیکھا تو اس سے ہم نے آگ کا پتہ لگا لیا۔ اور دوسری دلیل کی قسم انّی ہے۔ اور انّی اس کو کہتے ہیں کہ مدلول سے ہم دلیل کی طرف انتقال کریں۔ جیسا کہ ہم نے ایک شخص کو شدید تپ میں مبتلا پایا۔ تو ہمیں یقین ہُوا کہ اس میں ایک تیز صفرا موجود ہے جس سے تپ چڑھ گیا۔ سو اس جگہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ دونوں قسم کی دلیلیں پیش کریں گے۔

سو پہلے ہم لمّی دلیل ضرورت الہام کے لئے پیش کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ انسان کے جسم کا جسمانی اور روحانی نظام ایک ہی قانون قدرت کے ماتحت ہے پس اگر ہم انسان کے جسمانی حالات پر نظر ڈال کر دیکھیں تو ظاہر ہوگا کہ خداوند کریم نے جس قدر انسان کے جسم کو خواہشیں لگا دی ہیں اُن کے پورا کرنے کے لئے بھی سامان مہیا کئے ہیں۔ چنانچہ انسان کا جسم بباعث بھوک کے اناج کا محتاج تھا سو اس کے لئے طرح طرح کی غذائیں پیدا کی ہیں ایسا ہی انسان بباعث پیاس کے پانی کا محتاج تھا۔ سو اس کے لئے کنوئیں اور چشمے اور نہریں پیدا کردئے ہیں۔ اسی طرح انسان اپنی بصارت سے کام لینے کے لئے آفتاب یا کسی اور روشنی کا محتاج تھا سو اس کے لئے خدا نے آسمان پر سورج اور زمین پر دوسری اقسام کی روشنی پیدا کر دی ہے اور انسان اس ضرورت کے لئے کہ سانس لے اور نیز اس ضرورت کے لئے کہ کسی دوسرے کی آواز کو سُن سکے ہوا کا محتاج تھا سو اس کے لئے خدا نے ہوا پیدا کر دی۔ ایسا ہی انسان بقائے نسل کے لئے اپنے جوڑے کا محتاج تھا سو خدا نے مرد کے لئے عورت اور عورت کے لئے مرد پیدا کر دیا ہے۔ غرض خدا تعالیٰ نے جو جو خواہشیں انسانی جسم کو لگا دی ہیں اُن کیلئے تمام سامان بھی پیدا کر دیا ہے۔ پس اب سوچنا چاہیئے کہ جبکہ انسانی جسم کو باوجود اس کے فانی ہونے کے تمام اس کی خواہشوں کا سامان دیا گیا ہے۔ تو انسان کی رُوح کو جو دائمی اور ابدی محبت اور معرفت اور عبادت کے لئے پیدا کی گئی ہے کس قدر اس کی پاک خواہشوں کے سامان دیئے گئے ہونگے۔ سو وہی سامان خدا کی وحی ہے اور اس کے تازہ نشان ہیں جو ناقص العلم انسان کو یقین تام تک پہنچاتے ہیں۔ خدا نے جیسا کہ جسم کو اس کی خواہشوں کا سامان دیا

ایسا ہی رُوح کو بھی اُس کی خواہشوں کا سامان دیا تا جسمانی اور روحانی نظام دونوں باہم مطابق ہوں۔.........

یہ دلیل جو لمّی ہے پوری نہیں ہو سکتی جب تک اُس کے ساتھ انّی دلیل نہ ہو۔ یعنی جب تک تازہ نمونہ الہام کا نہ دیکھا جائے۔ بلاشبہ ضرورت کا محسوس کرنا اور چیز ہے اور پھر اس ضرورت کو حاصل بھی کر لینا یہ اَور امر ہے۔ .... تم دیکھتے ہو کہ اس زمانے میں تمہارے جسم کے لئے غذا اور پانی دونوں موجود ہیں یہ نہیں کہ فقط کسی پہلے زمانے میں تھیں اور اب نہیں ہیں۔ مگر جب الہام اور وحی کا ذکر آتا ہے تو پھر تم کسی ایسے پہلے زمانے کا حوالہ دیتے ہو جس پر کروڑ ہا برس گذر چکے ہیں مگر موجود کچھ نہیں دکھلا سکتے پھر خدا کا جسمانی اور روحانی قانونِ قدرت باہم مطابق کیونکر ہوا۔ ذرا ٹھیر کر سوچو۔ یونہی جلدی سے جواب مت دو۔ تم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ جسمانی خواہشوں کے سامان تو تمہارے ہاتھوں میں موجود ہیں مگر رُوحانی خواہشوں کے سامان تمہارے ہاتھ میں موجود نہیں بلکہ صرف قصّے تمہارے ہاتھوں میں ہیں۔ جو بودے اور باسی ہو چکے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ اس زمانے تک تمہارے جسمانی چشمے بند نہیں ہوئے جن کا تم پانی کر پیاس کی جلن اور سوزش کو دُور کرتے ہو۔ اور نہ جسمانی کھیتوں کی زمین ناقابلِ زراعت ہو گئی ہے جن کے اناج سے تم دو وقت پیٹ بھرتے ہو مگر وہ روحانی چشمے اب کہاں ہیں۔ جو الہام الٰہی کا تازہ پانی پلا کر پیاس کی سوزش کو دُور کرتے تھے اور اب وہ روحانی اناج بھی تمہارے پاس نہیں ہے جس کو کھا کر تمہاری رُوح زندہ رہ سکتی تھی۔ اب تم گویا ایک جنگل ہو جس میں نہ اناج ہے نہ پانی ہے۔

(چشمہ معرفت ص ۵۵-۵۸)

ہے غضب کہتے ہیں اب وحیِ خدا مفقود ہے ؎ اب قیامت تک ہے اس اُمّت کا قصّوں پر مدار

یہ عقیدہ برخلافِ گفتۂ دادار ہے ؎ پر اُتارے کون برسوں کا گلے سے اپنے ہار

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم ؎ اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

گوہرِ وحیِ خدا کیوں توڑتا ہے ہوش کر! ؎ اِک یہی دیں کے لئے ہے جائے عزّ و افتخار

یہ وہ گُل ہے جس کا ثانی باغ میں کوئی نہیں ؎ یہ وہ خوشبو ہے کہ قرباں اس پہ ہو مُشکِ تتار

یہ وہ ہے مفتاح جس سے آسماں کے در کھلیں ؎ یہ وہ آئینہ ہے جس سے دیکھ لیں روئے نگار

بس یہی ہتھیار ہے جس سے ہماری فتح ہے ؎ بس یہی اِک قصر ہے جو عافیت کا ہے حصار

جن چیزوں کو انہوں نے اپنی خوشحالی کا ذریعہ سمجھا تھا دراصل وہی چیزیں ان کی ہلاکت کا موجب تھیں۔ اور بعض لوگ دنیوی عزت اور ناموری کے بڑھانے اور مراتب و مناصب کے طلب کرنے میں اپنی خوشحالی دیکھتے ہیں۔ اور اپنی زندگی کے اصل مطلب سے ناآشنا رہتے ہیں۔ لیکن آخر کار وہ بھی حسرت سے مرتے ہیں۔ اور بعض اسی خواہش سے دنیا کا مال اکٹھا کرتے رہتے ہیں کہ شاید اسی میں خوشحالی پیدا ہو۔ مگر انجام یہ ہوتا ہے کہ اس اپنے تمام اندوختہ کو چھوڑ کر بڑے درد اور دُکھ کے ساتھ اور بڑی تلخیوں کے ساتھ موت کا پیالہ پیتے ہیں۔ سو طالب حق کے لئے جو قابلِ غور سوال ہے وہ یہی سوال ہے کہ سچی خوش حالی کیونکر حاصل ہو جو دائمی مسرّت اور خوشی کا موجب ہو اور درحقیقت سچے مذہب کی یہی نشانی ہے کہ وہ اس خوشحالی تک پہنچا دے۔ سو ہم قرآن شریف کی ہدایت سے اس دقیق در دقیق نکتہ تک پہنچتے ہیں کہ وہ ابدی خوشحالی خدا تعالےٰ کی صحیح معرفت اور پھر اس یگانہ کی پاک اور کامل اور ذاتی محبت اور کامل ایمان میں ہے جو دل میں عاشقانہ بے قراری پیدا کرے۔ یہ چند لفظ کہنے کو تو بہت تھوڑے ہیں لیکن اُن کی کیفیت کو بیان کرنے کے لئے ایک دفتر بھی متحمل نہیں ہو سکتا۔

یاد رہے کہ صحیح معرفت حضرتِ عزّت جلّ شانہٗ کی کئی نشانیاں ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُس کی قدرت اور توحید اور علم اور ہر ایک خوبی اور صفت پر کوئی داغ نقص کا نہ لگایا جائے۔ کیونکہ جس ذات کا ذرّہ ذرّہ پر حکم ہے اور جس کے تصرّف میں تمام روحوں کی اور تمام ہیکل زمین و آسمان کی ہے۔ وہ اگر اپنی قدرتوں اور حکمتوں اور قوتوں میں ناقص ہو تو اس عالمِ جسمانی اور رُوحانی کا کام چل ہی نہیں سکتا۔ اگر نعوذ باللہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ذرات اور ان کی تمام طاقتیں اور ارواح اور ان کی تمام قوتیں خود بخود ہیں تو ماننا پڑتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا علم اور توحید اور قدرت تینوں ناقص ہیں۔

چشمہ مسیحی 34

اے غافلو یقین کے بغیر کوئی عمل آسمان پر جا نہیں سکتا اور اندرونی کدورتیں اور دل کی مہلک بیماریاں بغیر یقین کے دُور نہیں ہو سکتیں۔ جس اسلام پر تم فخر کرتے ہو یہ رسم اسلام ہے نہ حقیقت اسلام۔ حقیقی اسلام سے شکل بدل جاتی ہے اور دل میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے اور سفلی زندگی مر جاتی ہے اور ایک اور زندگی پیدا ہوتی ہے جس کو تم نہیں جانتے۔ یہ سب کچھ یقین کے بعد آتا ہے اور یقین اُس یقینی کلام کے بعد جو آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ خدا۔ خدا کے ذریعہ سے ہی پہچانا جاتا ہے نہ کسی اور ذریعہ سے۔ تم میں سے کون ہے جو اپنے ہم کلام کو شناخت نہیں کر سکتا۔ پس اسی طرح مکالمات کی حالت میں معرفت میں ترقی ہوتی جاتی ہے بندہ کا دُعا کرنا اور خدا تعالیٰ کا لطف اور رحم سے اس دُعا کا جواب دینا نہ ایک دفعہ نہ دو دفعہ بلکہ بعض موقعہ پر بیس بیس دفعہ یا تیس تیس دفعہ یا پچاس پچاس دفعہ یا قریباً تمام رات یا قریباً تمام دن اسی طرح ہر یک دُعا کا جواب پانا اور جواب بھی فصیح تقریریں۔ اور بعض دفعہ مختلف زبانوں میں اور بعض دفعہ ایسی زبانوں میں جن کا علم بھی نہیں اور پھر اسکے ساتھ نشانوں کی بارش اور معجزات اور تائیدوں کا سلسلہ۔ کیا یہ ایسا امر ہے کہ اس قدر مسلسل مکالمات اور مخاطبات اور آیات بینات کے بعد پھر خدا کی کلام میں شک رہے۔ نہیں نہیں بلکہ یہ ایسا امر ہے کہ اسکے ذریعہ سے بندہ اسی عالم میں اپنے خدا کو دیکھ لیتا ہے۔

نزول مسیح 472

حضرت نے فرمایا:

بعض الہام بار بار کئی دفعہ ہوتے ہیں اور ہر دفعہ وہ جُدا شان رکھتے ہیں اِنِّی مُهِینٌ مَنْ اَرَادَ اِهَانَتَكَ بہت دفعہ ہوا ہے اور ہر دفعہ اس کا ظہور کسی نئے رنگ میں ہوا ہے۔ ہر دفعہ اہانت کنندہ اور اہانت … نیا وجود ہوتا رہا ہے۔ ایسا ہی الہام اِنِّیْ مَعَ الْاَفْوَاجِ اٰتِیْکَ بَغْتَةً بہت کثرت سے ہوا ہے۔ ہمیشہ خدائی فوجوں کی نصرت سے ایک نیا معجزہ پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح اکثر الہامات بار بار ہوتے ہیں اور ہر ایک کوئی نیا رنگ رکھتے ہیں۔ اسی طرح قرآنِ شریف میں بھی بہت سی آیات ہیں جو اپنے اپنے موقعہ پر جدا [illegible]ت رکھتی ہیں اگرچہ ظاہر الفاظ ایک ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ (الرحمٰن: ۳۰) … مقامات کتب مجھے دکھانے چاہئیں جن پر یہ سوال پیدا ہوا ہے۔

الحکم 10 اگست 1905ء

حقیقتِ رُوح القدس

کسی شخص کا سوال پیش ہوا کہ آپ نے جبرائیل کے متعلق جو تحریر کی ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا خیال بھی سید احمد کی طرح ہے کہ رُوح الامین انسان کے اندر ہی ہے اور اس کے سوائے کوئی اَور رُوح القدس اور جبرائیل نہیں۔ فرمایا:

یہ بالکل غلط ہے۔ سید احمد کے ساتھ اس معاملہ میں ہمارے خیال کو کوئی مطابقت نہیں۔ ہمارا منشاء یہ ہے کہ [illegible] تعالیٰ کی طرف سے رُوح الامین کا نزول انسان پر اس وقت ہوتا ہے جبکہ انسان خود تقدس اور تطہر کے … حاصل کر کے اپنے اندر بھی ایک حالت پیدا کرتا ہے جو نزولِ رُوح الامین کے قابل ہوتی ہے۔ اس … گویا ایک رُوح الامین ادھر ہوتا ہے تب ایک اُدھر سے آتا ہے۔ یہ بات ہم اپنے حال اور اپنے تجربہ سے …تے ہیں نہ کہ صرف قال ہی قال ہے۔ اس کی بجلی کے ساتھ خوب مثال مطابق آسکتی ہے۔ جب کسی جسم میں خود … بجلی ہوتی ہے تو آسمانی بجلی اُس پر اثر کرتی ہے۔ تدبر سے دیکھا جائے تو قرآنِ شریف سے بھی یہی …ت ہوتا ہے۔

ایضاً

۸؍ستمبر ۱۹۰۰ء

کلامِ الٰہی کے تین طریقے

رات مولانا نورالدین صاحب نے اس آیت کے معنے پُوچھے۔ وَمَا کَانَ
اِنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْ

(الشوریٰ : ۵۲) مولوی صاحب نے عرض کی کہ اس آیت پر بہت سا جھگڑا ہوا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا :

"قبل اس کے کہ اس آیت کے حل کی طرف ہم متوجہ ہوں۔ ہم عملاً دیکھتے ہیں کہ تین ہی طریقے ہیں خدا کے کلام کرنے کے۔ چوتھا کوئی نہیں ① رؤیا ② مکاشفہ ③ وحی"۔ پھر نمازِ عشاء کا سلام پھیرنے کے بعد فرمایا :

"مولوی صاحب! اس آیت کے معنی خوب کھل گئے۔ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ سے مُراد رؤیا کا ذریعہ ہے۔ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ کے معنی یہ ہیں کہ اس پر استعارے غالب رہتے ہیں۔ جو حجاب کا رنگ رکھتے ہیں یہی رؤیا کی ہیئت ہے۔

یُرْسِلَ رَسُوْلًا سے مراد مکاشفہ ہے۔ رسول کا تمثّل بھی مکاشفہ میں ہی ہوتا ہے اور مکاشفہ کی حقیقت ہے کہ وہ تمثّلات ہی کا سلسلہ ہوتا ہے۔"

اس کے بعد بڑے جوش اور خوشی سے فرمایا :

"قرآن کریم کیسے کیسے حقیقی اور عظیم علوم بیان فرماتا ہے۔ اس آیت کے ہم رنگ انجیل و توریت میں کوئی ہو کر بتاوے۔"

مولوی صاحب نے پوچھا تھا۔ اس تفسیر سے پہلے کہ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ سے یہ مطلب ہو کہ خدا تعالیٰ کا نظر آنا کوئی ضروری نہیں۔ فرمایا :

"یہ مطلب نہیں۔ یہ معنی ہی رؤیا کے ہیں اور لفظ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ نے تو حقیقت رؤیا کے فلسفہ کی بیان کی ہے۔"[۵]

---

۵ الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۵ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۰؍اکتوبر ۱۹۰۶ء مکتوبات کریمیہ نمبر ۵

باب چھارم

حصہ اول

اللہ تعالیٰ کی معرفت ۔ قرب ۔ توحید ۔ وغیرہ

حصہ دوم

حمدیہ / عارفانہ ۔ منظوم فارسی کلام

اللہ تعالیٰ سے کامل رُوحانی تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ

اب پھر ہم اصل مطلب کی طرف عَود کر کے کہتے ہیں۔ کہ خدا کے ساتھ رُوحانی اور کامل تعلق پیدا ہونے کا ذریعہ جو قرآن شریف نے ہمیں سکھلایا ہے۔ اسلام اور دُعائے فاتحہ ہے۔ یعنی اوّل اپنی تمام زندگی خدا کی راہ میں وقف کر دینا اور پھر اس دُعا میں لگے رہنا جو سُورۂ فاتحہ میں مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے۔ تمام اسلام کا مغز یہ دونوں چیزیں ہیں۔ اسلام اور دعائے فاتحہ دنیا میں خدا تک پہنچنے اور حقیقی نجات کا پانی پینے کے لئے یہی ایک اعلیٰ ذریعہ ہے بلکہ یہی ایک ذریعہ ہے جو قانونِ قدرت نے انسان کی اعلیٰ ترقی اور وصالِ الٰہی کے لئے مقرر کیا ہے اور وہی خدا کو پاتے ہیں کہ جو اسلام کے مفہوم کی رُوحانی آگ میں داخل ہوں اور دعائے فاتحہ میں لگے رہیں۔ اسلام کیا چیز ہے۔ وہی جلتی ہوئی آگ جو ہماری سفلی زندگی کو بھسم کر کے اور ہمارے باطل معبودوں کو جلا کر سچے اور پاک معبود کے آگے ہماری جان اور ہمارا مال اور ہماری آبرُو کی قربانی پیش کرتی ہے۔ ایسے چشمہ میں داخل ہو کر ہم ایک نئی زندگی کا پانی پیتے ہیں اور ہماری تمام رُوحانی قوتیں خدا سے یُوں پیوند پکڑتی ہیں جیسا کہ ایک رشتہ دوسرے رشتہ سے پیوند کیا جاتا ہے۔ بجلی کی آگ کی طرح ایک آگ ہمارے اندر سے نکلتی ہے، اور ایک آگ اُوپر سے ہم پر اُترتی ہے ان دونوں شعلوں کے ملنے سے ہماری تمام ہوا و ہوس اور غیر اللہ کی محبت بھسم ہو جاتی ہے۔ اور ہم اپنی پہلی زندگی سے مر جاتے ہیں اس حالت کا نام قرآن شریف کی رُو سے اسلام ہے۔ اسلام سے ہمارے نفسانی جذبات کو موت آتی ہے۔ اور پھر دُعا سے ہم از سرِ نو زندہ ہوتے ہیں۔ اس دوسری زندگی کے لئے الہامِ الٰہی ہونا ضروری ہے۔ اسی مرتبہ پر پہنچنے کا نام لقاءِ الٰہی ہے یعنی خدا کا دیدار اور خدا کا درشن ہے۔ اس درجہ پر پہنچ کر انسان کو خدا سے وہ اتصال ہوتا ہے کہ گویا وہ اس کو آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اور اس کو قوت دی جاتی ہے اور اس کے تمام حواس اور تمام اندرُونی قوتیں روشن کی جاتی ہیں اور پاک زندگی کی کشش بڑے زور سے شروع ہو جاتی ہے۔ اسی درجہ پر آکر خدا انسان کی آنکھ ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے

اور زبان ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ بولتا ہے۔ اور ہاتھ ہو جاتا ہے جس کے ساتھ
کرتا ہے اور کان ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ سُنتا ہے اور پَیر ہو جاتا ہے جس کے ساتھ
چلتا ہے اسی درجہ کی طرف اشارہ ہے جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ [1]

یہ اس کا ہاتھ خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہے جو اُن کے ہاتھوں پر ہے۔ اور ایسا ہی فرمایا

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى [2]

یعنی جو تُو نے چلایا تُو نے نہیں بلکہ خدا نے چلایا۔ غرض اس درجہ پر خدا تعالیٰ سے
کمال اتحاد ہو جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی پاک مرضی رُوح کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتی
ہے۔ اور اخلاقی طاقتیں جو کمزور تھیں اس درجہ میں محکم پہاڑوں کی طرح نظر آتی ہیں۔ عقل اور
فراست نہایت لطافت پر آجاتی ہے۔ یہ معنے اس آیت کے ہیں جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ [3]

اس مرتبہ میں محبت اور عشق کی نہریں ایسے طور سے جوش مارتی ہیں جو خدا تعالیٰ کے لئے
مرنا اور خدا تعالیٰ کے لئے ہزاروں دُکھ اُٹھانا اور بے آبرو ہونا ایسا آسان ہو جاتا ہے۔ کہ گویا
ایک ہلکا سا تنکا توڑنا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے اور نہیں جانتا۔ کہ کون کھینچ
رہا ہے۔ ایک غیبی ہاتھ اس کو اُٹھائے پھرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی مرضیوں کو پُورا کرنا اس کی
زندگی کا اصل الاصول ٹھہر جاتا ہے۔ اس مرتبہ میں خدا تعالیٰ بہت ہی قریب دکھائی دیتا ہے
جیسا کہ اُس نے فرمایا:۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ [4]

یعنی ہم اس سے اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔ ایسی حالت میں اس
مرتبہ کا آدمی ایسا ہوتا ہے کہ جس طرح پھل پختہ ہو کر خود بخود درخت پر سے گر جاتا ہے۔ اسی

---

[1] الفتح: ۱۱ [2] الانفال: ۱۸ [3] المجادلة: ۲۳ [4] قٓ: ۱۷

اس مرتبہ کے آدمی کے تمام تعلقاتِ سِفلی کالعدم ہو جاتے ہیں۔ اس کا اپنے خدا تعالیٰ سے
ایسا گہرا تعلق ہو جاتا ہے اور وہ مخلوق سے دُور چلا جاتا اور خدا تعالیٰ کے مکالمات اور مخاطبات
سے شرف پاتا ہے۔ اس مرتبہ کے حاصل کرنے کے لئے اب بھی دروازے کھلے ہیں جیسے کہ پہلے
کھلے ہوئے تھے اور اب بھی خدا تعالیٰ کا فضل یہ نعمت ڈھونڈنے والوں کو دیتا ہے جیسا کہ پہلے
دیتا تھا۔ مگر یہ راہ محض زبان کی فضولیوں کے ساتھ حاصل نہیں ہوتی اور فقط بے حقیقت باتوں
اور لافوں سے یہ دروازہ نہیں کُھلتا۔ چاہنے والے بہت ہیں مگر پانے والے کم۔ اس کا کیا سبب
ہے یہی کہ یہ مرتبہ سچی سرگرمی، سچی جانفشانی پر موقوف ہے۔ باتیں قیامت تک کیا کرو۔ کیا ہو
سکتا ہے۔ صدق سے اس آگ پر قدم رکھنا جس کے خوف سے اَور لوگ بھاگتے ہیں۔ اس راہ
کی پہلی شرط ہے۔ اگر عملی سرگرمی نہیں تو لاف زنی ہیچ ہے۔ اس بارے میں اللہ جلّشانہٗ فرماتا ہے

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا
دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ [1]

یعنی اگر میرے بندے میری نسبت سوال کریں کہ وہ کہاں ہے تو ان کو کہہ کہ وہ تم
سے بہت ہی قریب ہے۔ میں دعا کرنے والے کی دُعا سُنتا ہوں۔ پس چاہیئے کہ وہ دعاؤں سے
میرا وصل ڈھونڈیں اور مجھ پر ایمان لاویں تا کامیاب ہوویں۔

[1] البقرة: ۱۸۷

چاہیئے کہ لوگ ایسی حالت تقویٰ اور خدا ترسی کی پیدا کریں کہ میں ان کی آواز سنوں اور نیز چاہیئے کہ وہ مجھ پر ایمان لاویں اور قبل اس کے جو ان کو معرفت تامہ ملے اس بات کا اقرار کریں کہ خدا موجود ہے اور تمام طاقتیں اور قدرتیں رکھتا ہے کیونکہ جو شخص ایمان لاتا ہے اسی کو عرفان دیا جاتا ہے۔

ایمان اس بات کو کہتے ہیں کہ اس حالت میں مان لینا کہ جب کہ ابھی علم کمال تک نہیں پہنچا اور شکوک و شبہات سے ہنوز لڑائی ہے۔ پس جو شخص ایمان لاتا ہے یعنی باوجود کمزوری اور نہ مہیا ہونے کل اسباب یقین کے اس بات کو اغلب احتمال کی وجہ سے قبول کر لیتا ہے وہ حضرت احدیت میں صادق اور راست باز شمار کیا جاتا ہے اور پھر اس کو موہبت کے طور پر معرفت تامہ حاصل ہوتی ہے اور ایمان کے بعد عرفان کا جام اس کو پلایا جاتا ہے

(ازالہ اوہام ص ۳۰)

خدا تعالیٰ ہر ایک پہلو سے ہمارے لئے مبدا الفیض ہے۔ اگر ہم نیکی کی راہیں اختیار کریں تو وہ ہمارے علم اور تدبیر کو خطا سے محفوظ رکھ کر اور تدابیر صائبہ کا ہمیں الہام فرما کر ہمیں بلا سے بچا سکتا ہے ... ... یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے تمام کاموں کو ایک نظام کے رنگ میں رکھا ہے مگر پھر باوجود ان تمام نظامات کے ہر ایک چیز کی کل خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

(ایضاً ص ۹۴)

ایک سچا مسلمان اس کی (یعنی خدا کی) آواز اب بھی اسی طرح سن سکتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر سنی تھی۔

(ایام الصلح ص ۹۶)

اب خدا تعالیٰ ان تازہ معجزات اور پیشگوئیوں سے سب کی مرمت کر رہا ہے اور اب وہ گذشتہ قصوں کو واقعات کے رنگ میں دکھلا رہا ہے اور منقولات کو مشہودات کا پیرایہ پہنا رہا ہے تا جو لوگ شکوک کے گڑھے میں گر گئے ہیں دوبارہ اُن کو یقین کا لباس پہناوے لہٰذا جو شخص مجھے قبول کرتا ہے وہ تمام انبیاء اور اُن کے معجزات کو بھی نئے سرے قبول کرتا ہے اور جو شخص مجھے قبول نہیں کرتا اس کا پہلا ایمان بھی کبھی قائم نہیں رہے گا۔ کیونکہ اس کے پاس زے قصے ہیں نہ مشاہدات۔ خدا نمائی کا آئینہ میں ہوں جو شخص میرے پاس آئے گا اور مجھے قبول کرے گا وہ نئے سرے اُس خدا کو دیکھ لیگا جسکی نسبت دوسرے لوگوں کے ہاتھ میں صرف قصے باقی ہیں۔ میں اُس خدا پر ایمان لایا ہوں جس کو میرے منکر نہیں پہچانتے اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جس پر وہ ایمان لاتے ہیں اُن کے وہ خیالی بُت ہیں نہ خدا۔ اسی وجہ سے وہ بُت اُن کی کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ اُن کو کچھ قوت نہیں دے سکتے۔ اُن میں کوئی پاک تبدیلی پیدا نہیں کر سکتے۔ اُن کے لئے کوئی تائیدی نشان نہیں دکھلا سکتے۔ اور یاد رہے کہ یہ اندھوں کے بیہودہ شکوک اور شبہات ہیں جو اس وحی الٰہی کی نسبت اُن کے دلوں کو پکڑتے ہیں جو میرے پر نازل ہو رہی ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ خدا کا کلام نہ ہو بلکہ انسان کے اپنے دل کے ہی اوہام ہوں۔ مگر اُنکو یاد رہے کہ خدا اپنی قدرتوں میں کمزور نہیں وہ یقین دلانے کے لئے ایسے خارق عادت طریقے اختیار کر لیتا ہے کہ انسان جیسے آفتاب کو دیکھکر پہچان لیتا ہے کہ یہ آفتاب ہے، ایسا ہی خدا کے کلام کو پہچان لیتا ہے۔ کیا اُن کا یہ خیال ہے کہ آدم سے لیکر آنحضرت صلعم تک خدا تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ اپنی پاک وحی کے ذریعہ سے حق کے طالبوں کو سرچشمہ الیقین تک پہنچا دے مگر پھر بعد اس کے اُس فیضان پر قادر نہ رہا۔ یا قادر تو تھا مگر دانستہ اس اُمت مرحومہ کے ساتھ بخل کیا اور اس دُعا کو بھول گیا جو آپ ہی سکھلائی تھی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔

نزول المسیح 462

یہ بات اللہ جلشانہٗ کی عادت میں داخل ہے کہ جب ایک انسان اپنے دل سے اپنی جان سے اپنے تمام وجود سے اس کی طرف جھک جاتا ہے اور اپنی زندگی کا اصل مقصد اسی کو ٹھہراتا ہے اور غیر سے قطع تعلق کرتا ہے اور اس کی محبت سے بھر جاتا ہے تو پھر وہ قادر و کریم و رحیم خدا ایک خاص طور سے اس سے تعلق پکڑتا ہے اور ایک ایسے نئے رنگ میں اس پر تجلی فرماتا ہے جس سے دنیا غافل ہوتی ہے سو جو کچھ اس کے کامل اخلاص اور کامل صدق اور کامل وفا کی پاداش میں عنایت الٰہی وقتاً فوقتاً اس کی عزت ظاہر کرتی ہے مثلاً مشکلات کے وقت میں اس کی دستگیری فرماتی ہے اور ناقدر شناسوں پر اس کا قدر و منزلت کھول دیتی ہے اور اس کے دوستوں پر فضل اور احسان کا پرتوہ ڈالتی ہے اور اس کے موذی دشمنوں کو قہر کے ساتھ پکڑتی ہے اور اس کو معارف اور دقائق سے حصہ بخشتی ہے اور اس کی قبولیت کو دنیا پر پھیلا دیتی ہے اور اس کے قول اور فعل میں برکت رکھ دیتی ہے اور اس کے ہر ایک بوجھ کی آپ متکفل ہو جاتی ہے اور عجیب طور پر اس کی تمام حاجتوں کو پورا کر دیتی ہے تو ان تمام صورتوں کا نام کرامت ہے اور جب انسان خدا کا ہو جاتا ہے تو خدا اس کا ہو جاتا ہے اور جب خدا اس کا ہو جاتا ہے تو جہنوں کو جو اس کے نیک بندے ہیں اس کی طرف رجوع دیتا ہے۔

رسالہ نجم ص۱۳۵ طبع اول

ہے۔ دیکھو چاند، سورج، ہوا، پانی وغیرہ بدوں ہماری دعا اور التجا کے اور بغیر ہمارے کسی عمل اور فعل کے اس نے ہمارے وجود کے بقا کے لیے کام میں لگا رکھے ہیں اور پھر رحیمیت یہ ہے کہ اعمال کو ضائع نہ کرے اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا تقاضا یہ ہے کہ بامراد کر دے۔ جیسے ایک شخص امتحان کے لیے بہت محنت سے تیاری کرتا ہے، اگر امتحان میں دو چار نمبروں کی کمی رہ جاتی ہے، تو دنیوی نظام اور سلسلہ میں تو اس کا لحاظ نہیں کرتے اور اس کو گرا دیتے ہیں، مگر خدا تعالیٰ کی رحیمیت اس کی پردہ پوشی فرماتی ہے اور اس کو پاس کرا دیتی ہے۔ رحیمیت میں ایک قسم کی پردہ پوشی بھی ہوتی ہے۔ عیسائیوں کا خدا ذرہ بھی پردہ پوش نہیں ہے؛ ورنہ کفارہ کی کیا ضرورت رہتی۔ ایسا ہی آریوں کا خدا نہ ربّ ہے نہ رحمان، کیونکہ وہ تو بلا مزد اور بلا عمل کچھ بھی کسی کو عطا نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ ویدوں کے اصول کے موافق گناہ کرنا بھی ضروری معلوم دیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کو اگر کسی اس کے عمل کے معاوضہ میں گائے کا دودھ دینا مطلوب ہے، تو بالمقابل یہ بھی ضرور ہے کہ کوئی برہمنی (اگر یہ روایت صحیح ہو) زنا کرے تاکہ اس فسق و فجش کے بدلہ میں وہ گائے کی جون میں جائے اور اس عامل کو دودھ پلائے، خواہ وہ اس کا خاوند ہی کیوں نہ ہو۔ غرض جب تک ایسا سلسلہ نہ ہو گا، کوئی عامل اپنے عمل کی جزا وید کے ایشر کے خزانہ سے پا نہیں سکتا، کیونکہ اس کا یہ سلسلہ جوڑ توڑ ہی سے چلتا ہے۔

مگر اسلام نے وہ خدا پیش کیا ہے جو جمیع محامد کا سزاوار ہے اس لیے معطی حقیقی ہے وہ رحمٰن ہے بدوں عمل عامل کے اپنا فضل کرتا ہے۔ پھر مالکیتِ یوم الدین جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے، بامراد کرتی ہے۔ دنیا کی گورنمنٹ کبھی اس امر کا ٹھیکہ نہیں لے سکتی کہ ہر ایک بی اے پاس کرنے والے کو ضرور نوکری دے گی، مگر خدا تعالیٰ کی گورنمنٹ، کامل گورنمنٹ اور لا انتہا خزائن کی مالک ہے۔ اس کے حضور کوئی کمی نہیں۔ کوئی عمل کرنے والا ہو۔ وہ سب کو فائز المرام کرتا ہے اور نیکیوں اور حسنات کے مقابلہ میں بعض ضعفوں اور سقموں کی پردہ پوشی بھی فرماتا ہے۔ وہ تواب بھی ہے ستی بھی ہے۔ اللہ تعالےٰ کو ہزار ہا عیب اپنے بندوں کے معلوم ہوتے ہیں، مگر ظاہر نہیں کرتا۔ ہاں ایک وقت ایسا آ جاتا ہے کہ بیباک ہو کر انسان اپنے عیبوں میں ترقی پر ترقی کرتا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی حیا اور پردہ پوشی سے نفع نہیں اٹھاتا، بلکہ دہریت کی رگ اس میں زور پکڑتی جاتی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ کی غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ اس بیباک کو چھوڑا جاتے، اس لیے وہ ذلیل کیا جاتا ہے۔

الحکم 31 جولائی 1901ء

بعد از بیعت حضرت اقدس نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

مسنون طور سے خدا کا فضل تلاش کرو

ہماری طرف سے تو آپ کو یہی نصیحت ہے کہ
مسنون طور سے اللہ تعالیٰ کے فضل کو تلاش کرو

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کر کے یہ امر صاف طور پر بیان کر دیا ہے کہ ان کی پیروی کے سوا کوئی راہ اس کی رضا جوئی کی باقی نہیں ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے فضلوں کا جویاں ہو اسی دروازہ کو کھٹکھٹائے اس کے لیے کھولا جائے گا۔ بجز اس دروازہ کے تمام دروازے بند ہیں۔ نبوت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی شریعت قرآن شریف کے بعد ہرگز نہیں آئے گی۔ انسان کو کشوف اور وحی اور الہام کا بھی طالب نہ ہونا چاہیئے بلکہ یہ سب تقویٰ کا نتیجہ ہیں۔ جب جڑ ٹھیک ہوگی تو اُس کے لوازم بھی خود بخود آجائیں گے۔ دیکھو جب سُورج نکلتا ہے تو دھوپ اور گرمی جو اس کا خاصہ ہیں خود بخود ہی آجاتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان میں تقویٰ آجاتا ہے تو اس کے لوازم بھی اس میں ضرور آجاتے ہیں۔ دیکھو جب کوئی دوست کسی کے ملنے کے واسطے جاوے تو اس کو یہ اُمید تو نہ کرنی چاہیئے کہ مَیں اس کے پاس جاتا ہوں کہ وہ مجھے پلاؤ، زردے اَور قورمے اور قلیئے کھلائے گا اور میری خاطر تواضع کرے گا نہیں بلکہ صادق دوست کی ملاقات کی خواہش ہوتی ہے۔ بجُز اس کے اَور کسی کھانے یا مکان یا خدمت کی پروا اور خیال بھی نہیں ہوتا مگر جب وہ اپنے صادق دوست کے پاس جو اُس سے مہجور تھا۔ جاتا ہے تو کیا وہ اس کی خاطر داری کا کوئی دقیقہ باقی بھی اُٹھا رکھتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ جہانتک اس سے بَن پڑتا ہے وہ اپنی طاقت سے بڑھ کر بھی اس کی تواضع کے واسطے مکلف سامان کرتا ہے۔

غرض یہی حال رُوحانیت اور اس دوست اعلیٰ کی ملاقات کا ہے۔ الہامات یا کشوف وغیرہ خبروں کے سہارے والا ایمان، ایمانِ کامل نہیں۔ وہ کمزور ایمان ہے جو کسی چیز کا سہارا ڈھونڈھتا ہے۔ انسان کی غرض اور اصل مدعا صرف رضاء الٰہی اور وصول الی اللہ چاہیئے۔ آگے جب یہ اس کی رضا حاصل کرلے گا تو خدا تعالیٰ اس کو کیا کچھ نہ دیگا۔ خود اس امر کی درخواست کرنا سُوءِ ادب ہے۔

دیکھو اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[1] خدا کے محبوب بننے کیواسطے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی ایک راہ ہے اور کوئی دوسری راہ نہیں کہ تم کو خدا سے ملا دے۔ انسان کا مدعا صرف اس ایک واحد لاشریک خدا کی تلاش ہونا چاہیئے۔ شرک اور بدعت سے اجتناب کرنا چاہیئے رسوم کا تابع اور ہوا و ہوس کا مطیع نہ بننا چاہیئے۔ دیکھو مَیں پھر کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی راہ کے سوا اَور کسی طرح انسان کامیاب نہیں ہوسکتا۔

[1] آل عمران: ۳۲

الحکم 10 مارچ 1903ء

۱۰؍ اپریل ۱۹۰۴ء

مومن کی نظر اعمالِ صالحہ پر ہونی چاہیئے

ایک نوجوان نے اپنے کچھ
رؤیا اور الہامات سنانے شروع
کئے جب وہ سُنا چکا تو آپ نے فرمایا۔

مَیں تمہیں نصیحت کے طور پر کہتا ہوں۔ اسے خوب یاد رکھو کہ ان خوابوں اور الہامات ہی پر نہ رہو بلکہ اعمالِ صالحہ میں لگے رہو۔ بہت سے الہامات اور خواب سنبیر و پھل کی طرح ہوتے ہیں جو کچھ دنوں کے بعد گر جاتے ہیں اور پھر کچھ باقی نہیں رہتا ہے۔ اصل مقصد اور غرض اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا اور بے ریا تعلق۔ اخلاص اور وفاداری ہے جو نرے خوابوں سے پوری نہیں ہوسکتی مگر اللہ سے کبھی بے خوف نہیں ہونا چاہیئے۔ جہاں تک ہو سکے صدق و اخلاص و ترکِ ریا و ترکِ منہیات میں ترقی کرنی چاہیئے اور مطالعہ کرتے رہو کہ ان باتوں پر کس حد تک قائم ہو۔ اگر یہ باتیں نہیں ہیں تو پھر خوابیں اور الہامات بھی کچھ فائدہ نہیں دیں گے بلکہ صوفیوں نے لکھا ہے کہ اوائل سلوک میں جو رؤیا یا وحی ہو اس پر توجہ نہیں کرنی چاہیئے وہ اکثر اوقات اس راہ میں روک ہو جاتی ہے۔ انسان کی اپنی خوبی اس میں تو کوئی نہیں کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو وہ کسی کو کوئی اچھی خواب دکھاوے یا کوئی الہام کرے اس نے کیا کیا؟ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت وحی ہوا کرتی تھی لیکن اس کا کہیں ذکر بھی نہیں کیا گیا کہ اس کو یہ الہام ہوا یہ وحی ہوئی۔ بلکہ ذکر کیا گیا ہے تو اس بات کا کہ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی۔ وہ ابراہیم جس نے وفاداری کا کامل نمونہ دکھایا۔ یا یہ کہ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ (الصّٰفّٰت: ۱۰۶) یہ بات ہے جو انسان کو حاصل کرنی چاہیئے۔ اگر یہ پیدا نہ ہو تو پھر رؤیا و الہام سے کیا فائدہ؟ مومن کی نظر ہمیشہ اعمالِ صالحہ پر ہوتی ہے اگر اعمالِ صالحہ پر نظر نہ ہو تو اندیشہ ہے کہ وہ مکر اللہ کے نیچے آجائے گا۔ ہم کو تو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کریں اور اس کے لیے ضرورت ہے اخلاص کی، صدق و وفا کی، نہ یہ کہ قیل و قال تک ہی ہماری ہمت و کوشش محدود ہو۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ بھی برکت دیتا ہے اور اپنے فیوض و برکات کے دروازے کھول دیتا ہے اور رؤیا اور وحی کو القاءِ شیطانی سے پاک کر دیتا ہے اور اضغاث احلام سے بچا لیتا ہے۔

البدر 16 مئی 1904ء

تھا؟ غرض ہر پہلو سے اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے سے تو پھر یہ
متحقق ہوتی ہے مگر یہ اپنے اختیار میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی ہستی پر کامل یقین سے پیدا
ہوتی ہے۔

یک طرفہ خیال رفتہ رفتہ ضائع ہو جایا کرتے ہیں مثلاً ایک شخص خیال کرے کہ اس چوبارہ کے اندر آدمی
ہے۔ جب وہ بیدار ہوگا تو اس کو کھولے گا لیکن جب اس پر دو دن، چار دن، مہینہ دو مہینے یہاں تک کہ کئی برس
گذر جاویں اور کوئی آواز نہ دے نہ کھڑکا ہو تو آخر اُسے اپنا اعتقاد بدلنا پڑے گا اور خیال پیدا ہونے لگے گا کہ اگر
اس کے اندر کوئی آدمی ہوتا تو ضرور بولتا معلوم ہوا کہ کوئی آدمی ہے ہی نہیں۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ جو ان آنکھوں
سے پوشیدہ ہے اس کی بابت بھی طالب حق چاہتا ہے کہ اس کا پورا پتہ لگے تاکہ ایمان ترقی کرے ضرور
ہے کہ اس کی قدرتوں کے عجائبات نظر آدیں۔ اس کی آواز بھی سنائی دے اور اس کے سُننے کا پتہ لگے
لیکن اگر کسی بات کا پتہ ہی نہیں چلتا تو پھر رفتہ رفتہ ایمان کمزور ہو کر انسان دہریہ ہو جائے گا۔

یہ تو سب اہلِ مذاہب مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اور ہماری دُعائیں سُنتا ہے مگر میں کہتا ہوں
کہ وہ جس طرح پر سنتا ہے کیا یہ ضرور نہیں کہ اسی طرح پر بولتا بھی ہو۔ اگر بولتا نہیں تو پھر اس کا سُننا بھی باطل
ہوگا اور پھر دُوسرے صفات بھی باطل ہو جائیں گے۔ آریہ بھی اتنا تو مانتے ہیں کہ وہ سُنتا ہے۔ لیکن جب ہم
پُوچھتے ہیں کہ کیا وہ سُنتا[1] بھی ہے۔ تو یہاں آکر خاموش ہو جاتے ہیں۔ تو پھر یہ کیوں کر مان لیا جاوے کہ
اس کے کان تو ہیں مگر زبان نہیں۔ یہ تو ادھورا خدا ہے۔

سچا متکلم اور مذہب وہی ہو سکتا ہے جو خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت دے جو سُننے کا ثبوت دیتا ہے
وہ بولنے کا بھی دیتا ہے۔ اس معیار پر آکر صرف اسلام ہی ہے جو سچا ثابت ہوگا آریہ کہتے ہیں کہ کسی قدیم زمانے
میں بولتا تھا اب نہیں بولتا۔ مگر ہم کہتے ہیں اس کا کیا ثبوت ہے کہ پہلے بولتا تھا؟ ایسا ہی عیسائیوں کا بھی
حال ہے وہ بھی اس بات کا ثبوت نہیں دے سکتے کہ خدا بولتا ہے۔ ہاں ہم کہتے ہیں کہ جس طرح خدا تعالیٰ
کو دیکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ دیکھتا ہے اور سُنتا ہے اسی طرح، ہم یقین رکھتے ہیں اور اپنے
تجربہ سے کہتے ہیں کہ وہ بولتا بھی ہے۔

یہ سچ ہے کہ اس کی آواز سُننے کے لیے خود تمہارے کان بھی کُھلے ہوئے ہونے چاہئیں۔

17 اگست 1905ء

---

[1] کاتب کی غلطی ہے۔ دراصل یہ فقرہ یوں ہونا چاہیے : "کیا وُہ بولتا بھی ہے؟"
(مرتب)

مگر انبیاء علیہم السلام دُوسروں کیلئے کوشش کرتے ہیں۔ لوگ سوتے ہیں اور وہ
اُن کیلئے جاگتے ہیں۔ اور لوگ ہنستے ہیں اور وہ اُن کیلئے روتے ہیں اور دُنیا کی رہائی کیلئے
ہر ایک مصیبت کو بخوشی اپنے پر وارد کر لیتے ہیں۔ یہ سب اس لئے کرتے ہیں کہ تا خدا تعالےٰ کچھ
ایسی تجلّی فرماوے کہ لوگوں پر ثابت ہو جاوے کہ خدا موجود ہے اور مستعد دِلوں پر اُسکی ہستی
اور اُسکی توحید منکشف ہو جاوے تاکہ وُہ نجات پائیں۔ پس وُہ جانی دشمنوں کی ہمدردی میں
مرتے ہیں۔ اور جب انتہا درجہ پر اُنکا درد پہنچتا ہے اور انکی دردناک آہوں سے (جو مخلوق کی
رہائی کیلئے ہوتی ہیں) آسمان پُر ہو جاتا ہے۔ تب خدا تعالیٰ اپنے چہرہ کی چمک دِکھلاتا ہے اور
زبردست نشانوں کے ساتھ اپنی ہستی اور اپنی توحید لوگوں پر ظاہر کرتا ہے۔ پس اِس میں
شک نہیں کہ توحید اور خدا دانی کی متاع رسول کے دامن سے ہی دُنیا کو ملتی ہے بغیر اسکے
ہرگز نہیں مل سکتی اور اس امر میں سب سے اعلیٰ نمونہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دِکھلایا۔ کہ
ایک قوم جو نجاست پر بیٹھی ہوئی تھی اُنکو نجاست سے اُٹھا کر گلزار میں پہنچا دیا۔ اور وُہ جو رُوحانی
بھوک اور پیاس سے مرنے لگے تھے اُنکے آگے رُوحانی اعلیٰ درجہ کی غذائیں اور شیریں شربت
رکھ دیئے۔ اُن کو وحشیانہ حالت سے انسان بنایا۔ پھر معمولی انسان سے مہذّب انسان بنایا
پھر مہذّب انسان سے کامل انسان بنایا اور اس قدر اُن کے لئے نشان ظاہر کئے کہ اُنکو خدا
دِکھلا دیا اور اُن میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی کہ اُنہوں نے فرشتوں سے ہاتھ جا ملائے۔ یہ تاثیر
کسی اور نبی سے اپنی اُمّت کی نسبت ظہور میں نہ آئی کیونکہ اُن کے صحبت یاب ناقص رہے
پس میں ہمیشہ تعجّب کی نگہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام **محمّدؐ** ہے (ہزار ہزار دُرود
اور سلام اُس پر) یہ کس **عالی مرتبہ کا نبی** ہے۔ اسکے عالی مقام کا انتہاء معلوم نہیں ہو سکتا
اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔

۔۔اور نہ صرف وعدہ کے طور پر اور نہ فقط آخرت کے انتظار میں خدا کے دیدار اور بہشت کا منتظر رہتا ہے بلکہ اسی جگہ اور اسی دُنیا میں دیدار اور گفتار اور جنّت کی نعمتوں کو پا لیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنّ الّذین قالوا ربّنا اللّٰہ ثمّ استقاموا تتنزّل علیہم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ الّتی کنتم توعدون یعنی جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو جامع صفات کاملہ ہے جس کی ذات اور صفات میں اور کوئی شریک نہیں۔ اور یہ کہہ کر پھر وہ استقامت اختیار کرتے ہیں۔ اور کتنے ہی زلزلے آویں اور بلائیں نازل ہوں اور موت کا سامنا ہو ان کے ایمان اور صدق میں فرق نہیں آتا ان پر فرشتے اترتے ہیں اور خدا ان سے ہمکلام ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ تم بلاؤں سے اور خوفناک دشمنوں سے مت ڈرو اور نہ گذشتہ مصیبتوں سے غمگین ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور میں اِسی دُنیا میں تمہیں بہشت دیتا ہوں جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا تھا۔ پس تم اس سے خوش ہو۔

(لیکچر لاہور ص۱۱، ص۱۲)

پس جس دل میں یہ خواہش اور یہ طلب نہیں کہ خدا کا مکالمہ اور مخاطبہ یقینی طور پر اس کو نصیب ہو وہ ایک مُردہ دل ہے۔

(لیکچر لاہور ص۱۳)

حقیقی چشمہ پاکی اور پاکیزگی کا خدا تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ اور راست بازوں کو پاکی اور پاکیزگی خدا سے ہی ملتی ہے۔ ورنہ انسان کی حقیقت پر اگر نظر کریں تو وہ ایک ناکارہ بوند سے پیدا ہوتا ہے اس لئے وہ ہیچ محض ہے مگر اللہ تعالیٰ کی عنایتیں اس کے مقبول بندوں کو پاک کرتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کا تمام وجود انسان کے فائدہ کے لئے ہے لہٰذا خدا تعالیٰ کی پاکی بھی انسان کے پاک بنانے کے لئے ہے۔ جس طرح دریا میں بار بار غسل کرنے سے کسی کے بدن پر میل باقی نہیں رہ سکتی اسی طرح جو لوگ خدا تعالیٰ کے ہی ہو جاتے ہیں اور اس کے سچے فرمانبردار بن کر دریائے رحمت الٰہی میں داخل ہو جاتے ہیں بلاشبہ وہ بھی پاک ہو جاتے ہیں۔ مگر ایک اور قوم بھی ہے جو مچھلیوں کی طرح اس دریا میں پیدا ہوتی ہے اور اسی دریا میں ہمیشہ رہتی ہے اور ایک دم بھی دریا کے بغیر جی نہیں سکتی۔ وہ وہی لوگ ہیں جو پیدائشی پاک ہیں اور ان کی فطرت میں عصمت ہے۔ انہیں کا نام نبی اور رسول اور پیغمبر ہے۔ خدا تعالیٰ دھوکا کھانے والا نہیں وہ انہیں کو اپنا خاص مقرب بناتا ہے جو مچھلیوں کی طرح اسکی محبت کے دریا میں ہمیشہ فطرتاً تیرنے والے ہیں اور اس کے ہو رہتے ہیں اور اسی کی اطاعت میں فنا ہو جاتے ہیں۔

(ست بچن ص۸۵، ۸۶ طبع اوّل)

۱۔ اور میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں

ہر یک دروازہ بند ہو جاتا ہے مگر رُوح القدس کے اُترنے کا کبھی دروازہ بند نہیں ہوتا۔ اگر تم دلوں کے دروازے کھول دو تا وہ اُنہیں داخل ہو۔ تم اُس آفتاب سے خود اپنے تئیں دُور ڈالتے ہو جبکہ اُس شعاع کے داخل ہونے کی کھڑکی کو بند کرتے ہو۔ اے نادان اُٹھ اور اُس کھڑکی کو کھول دے تب آفتاب خود بخود تیرے اندر داخل ہو جائیگا۔ جبکہ خدا نے دُنیا کے فیضوں کی راہیں اس زمانہ میں تم پر بند نہیں کیں بلکہ زیادہ کیں۔ تو کیا تمہارا ظن ہے کہ آسمان کے فیوض کی راہیں جن کی اس وقت تمہیں بہت ضرورت تھی وہ تم پر اُس نے بند کر دی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ بہت صفائی سے وہ دروازہ کھولا گیا ہے۔ اب جبکہ خدا نے اپنی تعلیم کے موافق جو سورہ فاتحہ میں سکھلائی گئی گذشتہ تمام نعمتوں کا تم پر دروازہ کھول دیا ہے تو تم کیوں انکے لینے سے انکار کرتے ہو۔ اُس چشمہ کے پیاسے ہو کر پانی خود بخود آجائیگا۔ اس دُودھ کیلئے تم بچوں کی طرح رونا شروع کرو کہ دُودھ پستان سے خود بخود اُتر آئیگا۔ رحم کے لائق ہو تا تم پر رحم کیا جائے۔ اضطراب دکھلاؤ تا تسلی پاؤ۔ بار بار چلاؤ تا ایک ہاتھ تمہیں پکڑ لے۔ کیا ہی دشوار گذار وُہ راہ ہے جو خدا کی راہ ہے۔ پر اُن کیلئے آسان کی جاتی ہے جو مرنے کی نیت سے اس اتھاہ گڑھے میں پڑتے ہیں۔ وہ اپنے دلوں میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہمیں آگ منظور ہے۔ ہم اس میں اپنے محبوب کے لئے جلیں گے۔ پھر وہ آگ میں اپنے تئیں ڈال دیتے ہیں۔ پس کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بہشت ہے۔ یہی ہے جو خدا نے فرمایا۔ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا[۱] الخ یعنی اے بُرو اور اے نیکو! تم میں سے کوئی بھی نہیں جو جہنم کی آگ پر گذر نہ کرے۔ مگر وہ جو خدا کیلئے اُس آگ میں پڑتے ہیں وہ نجات دئے جائیں گے۔ لیکن وہ جو اپنے نفس امّارہ کیلئے آگ پر چلتا ہے وہ آگ اُسے کھا جائے گی۔ پس مبارک وہ جو خدا کیلئے اپنے نفس سے جنگ کرتے ہیں۔ اور بد بخت وہ جو اپنے نفس کیلئے خدا سے جنگ کر رہے ہیں اور اس سے موافقت نہیں کرتے۔ جو شخص اپنے نفس کیلئے خدا کے حکم کو ٹالتا ہے وہ آسمان میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔

۱ مریم : ۷۲

جیسا کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ آئینہ جو ایک سامنے کھڑے ہونے والے کے تمام نقوش اپنے اندر لے کر اس مُنہ کا خلیفہ ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مومن بھی ظلّی طور پر صفاتِ الٰہیہ کو اپنے اندر لے کر خلافت کا درجہ اپنے اندر حاصل کرتا ہے اور ظلّی طور پر الٰہی صورت کا مظہر ہو جاتا ہے اور جیسا کہ خدا غیب الغیب ہے اور اپنی ذات میں وراء الوراء ایسا ہی یہ مومن کامل اپنی ذات میں غیب الغیب اور وراء الوراء ہوتا ہے۔ دنیا اس کی حقیقت تک پہنچ نہیں سکتی کیونکہ وہ دنیا کے دائرہ سے بہت ہی دُور چلا جاتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ خدا جو غیر متبدل اور حیّ و قیّوم ہے وہ مومن کامل کی اُس پاک تبدیلی کے بعد جبکہ وہ خدا کے لئے اپنا وجود بالکل کھو دیتا ہے اور ایک نیا چولا پاک تبدیلی کا پہن کر اُس میں سے نکل آتا ہے۔ تب خدا بھی اس کے لئے اپنی ذات میں ایک تبدیلی کرتا ہے مگر یہ نہیں کہ خدا کی ازلی ابدی صفات میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے۔ نہیں بلکہ وہ قدیم سے اور ازل سے غیر متبدل ہے لیکن یہ صرف مومن کامل کے لئے جلوۂ قدرت ہوتا ہے اور ایک تبدیلی جس کی ہم کُنہ نہیں سمجھ سکتے اُس مومن کی تبدیلی کے ساتھ خدا میں بھی ظہور میں آجاتی ہے مگر اس طرح پر کہ اُسکی غیر متبدل ذات پر تبدیلی کی گرد و غبار حدوث کا نہیں بیٹھتا۔ وہ اسی طرح غیر متبدل ہوتا ہے جس طرح وہ قدیم سے ہے لیکن یہ تبدیلی جو مومن کی تبدیلی کے وقت ہوتی ہے یہ اس قسم کی ہے جیسا کہ لکھا ہے کہ جب مومن خدا تعالیٰ کی طرف حرکت کرتا ہے تو خدا اس کی نسبت تیز حرکت کے ساتھ اس کی طرف آتا ہے اور ظاہر ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ تبدیلیوں سے پاک ہے۔ ایسا ہی وہ حرکتوں سے بھی پاک ہے لیکن یہ تمام الفاظ استعارہ کے رنگ میں بولے جاتے ہیں اور استعارہ کی اس لئے ضرورت پڑتی ہے کہ تجربہ شہادت دیتا ہے کہ جیسے ایک مومن خدا تعالیٰ کی راہ میں نیستی اور فنا اور استہلاک کر کے اپنے تئیں ایک نیا وجود بناتا ہے اس کی ان تبدیلیوں کے مقابل پر خدا بھی اس کے لئے ایک نیا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ وہ معاملات کرتا ہے جو دوسرے کے ساتھ کبھی نہیں کرتا۔ اور اس کو اپنے ملکوت اور اسرار کا وہ سیر

کرتا ہے جو دوسرے کو ہرگز نہیں دکھلاتا۔ اور اس کے لئے وہ کام ظاہر کرتا ہے جو دوسروں کے لئے
ایسے کام کبھی ظاہر نہیں کرتا۔ اور اس قدر اس کی نصرت اور مدد کرتا ہے کہ لوگوں کو تعجب میں
ڈالتا ہے۔ اس کے لئے خوارق دکھلاتا ہے اور معجزات ظاہر کرتا اور ہر ایک پہلو سے اس کو فائق
کر دیتا ہے اور اس کی ذات میں ایک قوت کشش رکھ دیتا ہے جس سے ایک جہان اُس کی
طرف کھنچا چلا جاتا ہے اور وہی باقی رہ جاتے ہیں جن پر شقاوت ازلی غالب ہے۔

پس ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ مومن کامل کی پاک تبدیلی کے ساتھ خدا تعالیٰ بھی
ایک نئی صورت کی تجلّی سے اُس پر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اُس نے انسان کو
اپنے لئے پیدا کیا ہے کیونکہ جب انسان خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا شروع کرے تو اُسی دن
بلکہ اسی گھڑی سے بلکہ اسی دم سے خدا تعالیٰ کا رجوع اس کی طرف شروع ہو جاتا ہے۔ اور
وہ اس کا متوّلی اور متکفّل اور حامی اور ناصر بن جاتا ہے۔ اور اگر ایک طرف تمام دنیا ہو
اور ایک طرف مومن کامل تو آخر غلبہ اُسی کو ہوتا ہے کیونکہ خدا اپنی محبت میں صادق ہے
اور اپنے وعدوں میں پورا۔ وہ اس کو جو درحقیقت اُس کا ہو جاتا ہے ہرگز ضائع نہیں
کرتا۔ ایسا مومن آگ میں ڈالا جاتا ہے اور گلزار میں سے نکلتا ہے۔ وہ ایک گرداب میں دھکیل
دیا جاتا ہے اور ایک خوشنما باغ میں سے نمودار ہو جاتا ہے۔ دشمن اس کے لئے بہت
منصوبے کرتے اور اس کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن خدا ان کے تمام مکروں اور منصوبوں کو
پاش پاش کر دیتا ہے کیونکہ وہ اس کے ہر قدم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے آخر اُس کی
ذلّت چاہنے والے ذلّت کی مار سے مرتے ہیں اور نامرادی اُن کا انجام ہوتا ہے لیکن
وہ جو اپنے تمام دل اور تمام جان اور تمام ہمّت کے ساتھ خدا کا ہو گیا ہے وہ نامراد ہرگز نہیں
مرتا اور اُسکی عمر میں برکت دی جاتی ہے اور ضرور ہے کہ وہ جیتا رہے جب تک اپنے کاموں کو پورا کر لے۔ تمام
برکتیں اخلاص میں ہیں اور تمام اخلاص خدا کی رضا جوئی میں اور تمام خدا کی رضا جوئی اپنی رضا کے چھوڑنے میں
یہی موت ہے جس کے بعد زندگی ہے۔ مبارک وہ جو اس زندگی میں سے حصّہ لے۔

اور چاہیئے کہ تم بھی ہمدردی اور اپنے نفسوں کے پاک کرنے سے
روح القدس سے حصّہ لو کہ بجز رُوح القدس کے حقیقی تقویٰ حاصل نہیں
ہو سکتی اور نفسانی جذبات کو بکلّی چھوڑ کر خدا کی رضا کے لئے وہ راہ اختیار
کرو جو اس سے زیادہ کوئی اور راہ تنگ نہ ہو۔ دُنیا کی لذّتوں پر فریفتہ مت
ہو کہ وہ خدا سے جدا کرتی ہیں اور خدا کے لئے تلخی کی زندگی اختیار کرو۔ وہ
درد جس سے خدا راضی ہو اس لذت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض
ہو جائے۔ اور وہ شکست جس سے خدا راضی ہو اس فتح سے بہتر ہے جو
موجب غضب الٰہی ہو۔ اس محبت کو چھوڑ دو جو خدا کے غضب کے قریب
کرے۔ اگر تم صاف دل ہو کر اس کی طرف آجاؤ تو ہر ایک راہ میں وہ تمہاری
مدد کرے گا اور کوئی دشمن تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ خدا کی رضا
کو تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے جب تک تم اپنی رضا چھوڑ کر اس کی راہ میں
وہ تلخی نہ اٹھاؤ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے۔ لیکن اگر
تم تلخی اٹھا لوگے تو ایک پیارے بچے کی طرح خدا کی گود میں آجاؤ گے اور
تم ان راستبازوں کے وارث کئے جاؤ گے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اور
ہر ایک نعمت کے دروازے تم پر کھولے جائیں گے۔ لیکن تھوڑے ہیں جو

ایسے ہیں۔ خدا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا ہے کہ تقویٰ ایک ایسا درخت
ہے جس کو دل میں لگانا چاہیئے۔ وہی پانی جس سے تقویٰ پرورش پاتی ہے
تمام باغ کو سیراب کر دیتا ہے۔ تقویٰ ایک ایسی جڑھ ہے کہ اگر وہ نہیں
تو سب کچھ ہیچ ہے اور اگر وہ باقی رہے تو سب کچھ باقی ہے۔ انسان کو
اس فضولی سے کیا فائدہ جو زبان سے خدا طلبی کا دعویٰ کرتا ہے لیکن قدم
صدق نہیں رکھتا۔ دیکھو میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ آدمی ہلاک شدہ
ہے جو دین کے ساتھ کچھ دنیا کی ملونی رکھتا ہے اور اس نفس سے جہنم بہت
قریب ہے جس کے تمام ارادے خدا کے لئے نہیں ہیں بلکہ کچھ خدا کے لئے
اور کچھ دنیا کے لئے۔ پس اگر تم دنیا کی ایک ذرہ ملونی بھی اپنے اغراض میں
رکھتے ہو تو تمہاری تمام عبادتیں عبث ہیں۔ اس صورت میں تم خدا کی پیروی
نہیں کرتے بلکہ شیطان کی پیروی کرتے ہو۔ تم ہرگز توقع نہ کرو کہ ایسی حالت
میں خدا تمہاری مدد کرے گا بلکہ تم اس حالت میں زمین کے کیڑے ہو اور
تھوڑے ہی دنوں تک تم اس طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح کہ کیڑے ہلاک
ہوتے ہیں۔ اور تم میں خدا نہیں ہوگا بلکہ تمہیں ہلاک کرکے خدا خوش
ہوگا۔ لیکن اگر تم اپنے نفس سے درحقیقت مر جاؤ گے تب تم خدا میں ظاہر
ہو جاؤ گے۔ اور خدا تمہارے ساتھ ہوگا۔ اور وہ گھر بابرکت ہوگا جس میں تم
رہتے ہوگے اور ان دیواروں پر خدا کی رحمت نازل ہوگی جو تمہارے گھر کی دیواریں
ہیں اور وہ شہر بابرکت ہوگا جہاں ایسا آدمی رہتا ہوگا۔ اگر تمہاری زندگی
اور تمہاری موت اور تمہاری ہر ایک حرکت اور تمہاری نرمی اور گرمی محض
خدا کے لئے ہو جائے گی اور ہر ایک تلخی اور مصیبت کے وقت تم خدا کا امتحان
نہیں کرو گے اور تعلق کو نہیں توڑو گے بلکہ آگے قدم بڑھاؤ گے تو میں سچ سچ

کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک خاص قوم ہو جاؤ گے۔ تم بھی انسان ہو جیسا کہ میں
انسان ہوں اور وہی میرا خدا تمہارا خدا ہے۔ پس اپنی پاک قوتوں کو ضائع
مت کرو۔ اگر تم پورے طور پر خدا کی طرف جھکو گے تو دیکھو میں خدا کی منشا کے
موافق تمہیں کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک قوم برگزیدہ ہو جاؤ گے۔ خدا کی عظمت
اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی
طور پر کرو تا خدا بھی عملی طور پر اپنا لطف و احسان تم پر ظاہر کرے۔
کینہ وری سے پرہیز کرو اور بنی نوع سے سچی ہمدردی کے ساتھ پیش
آؤ۔ ہر ایک راہ نیکی کی اختیار کرو۔ نہ معلوم کس راہ سے قبول کئے جاؤ۔
تمہیں خوشخبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے۔ ہر ایک قوم
دنیا سے پیار کر رہی ہے اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو اس کی طرف
دنیا کو توجہ نہیں۔ وہ لوگ جو پورے زور سے اس دروازہ میں داخل ہونا
چاہتے ہیں ان کے لئے موقعہ ہے کہ اپنے جوہر دکھلائیں اور خدا سے خاص انعام
پاویں۔ یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کر دیگا۔ تم خدا کے ہاتھ کا ایک
بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا،
اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائیگا۔
پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے
ابتلاؤں سے نہ ڈرے۔ کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے تا خدا
تمہاری آزمائش کرے کہ کون اپنے دعوئے بیعت میں صادق اور کون
کاذب ہے۔ وہ جو کسی ابتلا سے لغزش کھائے گا وہ کچھ بھی خدا کا نقصان
نہیں کرے گا۔ اور بدبختی اس کو جہنم تک پہنچائے گی۔ اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو
اس کے لئے اچھا تھا۔ مگر وہ سب لوگ جو اخیر تک صبر کریں گے اور ان

پر مصائب کے زلزلے آئیں گے اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی اور قومیں
ہنسی اور ٹھٹھا کریں گی اور دنیا ان سے سخت کراہت کے ساتھ پیش آئے گی
وہ آخر فتح یاب ہوں گے اور برکتوں کے دروازے ان پر کھولے جائیں گے
خدا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ میں اپنی جماعت کو اطلاع دوں کہ جو
لوگ ایمان لائے۔ ایسا ایمان جو اس کے ساتھ دنیا کی ملونی نہیں اور وہ
ایمان نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہیں اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ
سے محروم نہیں۔ ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں اور خدا فرماتا ہے
کہ وہی ہیں جن کا قدم صدق کا قدم ہے۔

اے سننے والو سنو کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے بس یہی کہ تم اسی کے
ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ ہمارا
خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا اور اب بھی
بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا اور اب بھی وہ سنتا ہے جیسا کہ پہلے
سنتا تھا...... نادان ہے وہ جو اس کی قدرتوں سے انکار کرے۔
اندھا ہے وہ جو اس کی عمیق طاقتوں سے بےخبر ہے۔ وہ سب کچھ کرتا
ہے اور کر سکتا ہے بغیر ان امور کے جو اس کی شان کے مخالف ہیں یا
اس کے مواعید کے برخلاف ہیں۔

(الوصیت ص۷ تا ص۱۱)

اور میں دعا کرتا ہوں کہ خدا اس میں برکت دے اور اسی کو
بہشتی مقبرہ بنا دے اور یہ اس جماعت کے پاک دل لوگوں کی خوابگاہ
ہو جنہوں نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کر لیا

.....جب انسان پر اس مرتبہ تک محبت الٰہی
غلبہ کرتی ہے تب تمام نفسانی آلائشیں اس آتش محبت سے خس و خاشاک کی
طرح جل جاتی ہیں۔ اور انسان کی فطرت میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو جاتا ہے۔
اور اس کو وہ دل عطا ہوتا ہے جو پہلے نہیں تھا اور وہ آنکھیں عطا ہوتی
ہیں جو پہلے نہیں تھیں۔ اور اس قدر یقین اس پر غالب آ جاتا ہے کہ اسی دنیا
میں وہ خدا کو دیکھنے لگتا ہے۔ اور وہ جلن اور سوزش جو دنیاداروں کی
فطرت کو دنیا کے لئے جہنم کی طرح لگی ہوئی ہوتی ہے وہ سب دور ہو کر ایک
آرام اور راحت اور لذت کی زندگی اس کو مل جاتی ہے۔ تب اس کیفیت
کا نام جو اس کو ملتی ہے نجات رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی روح خدا کے
آستانہ پر نہایت محبت اور عاشقانہ تپش کے ساتھ گر کر لازوال آرام
پا لیتی ہے۔ اور اس کی محبت کے ساتھ خدا کی محبت تعلق پکڑ کر اس کو اس
مقام محویت پر پہنچا دیتی ہے کہ جو بیان کرنے سے بلند اور برتر ہے انسان
کی ایک ایسی فطرت ہے کہ وہ خدا کی محبت اپنے اندر مخفی رکھتی ہے۔ پس جب
وہ محبت تزکیۂ نفس سے بہت صاف ہو جاتی ہے اور مجاہدات کا صیقل
اس کی کدورت کو دور کر دیتا ہے تو وہ محبت خدا کے نور کا پرتو حاصل
کرنے کے لئے ایک مصفا آئینہ کا حکم رکھتی ہے۔

(چشمہ معرفت ص۲۶۱ تا ص۲۶۸ آخر)

غرض نجات کی فلاسفی یہی ہے کہ خدا سے پاک اور کامل تعلق پیدا
کرنے والے اس لازوال نور کا مظہر ہو جاتے ہیں اور اس کی محبت کی آگ
میں پڑ کر ایسی اپنی ہستی سے دور ہو جاتے ہیں کہ جیسا کہ لوہا آگ میں پڑ کر

آگ کی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے۔ مگر درحقیقت وہ آگ نہیں ہے لوہا ہے۔ اور جیسا کہ خدا کی تجلیات سے اس کے عاشقوں میں ایک حیرت نما تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے ایسا ہی خدا بھی ان کے لئے ایک تبدیلی پیدا کرتا ہے۔......

یہ بالکل غیر ممکن اور خدا کی کریمانہ عادت کے برخلاف ہے کہ خدا تعالیٰ ایسے بندہ کو جہنم میں ڈالے کہ جو اپنے سارے دل اور ساری جان اور کامل اخلاص سے اس کی محبت میں محو ہے اور ایسا محو ہے کہ جیسا کہ سچی محبت کا تقاضا ہونا چاہیئے۔ کسی کو اس کے برابر نہیں جانتا بلکہ ہر ایک کو اس کے مقابل پر کالعدم سمجھتا ہے۔ اور اپنے وجود کو اس کی راہ میں فنا کرنے کو تیار ہے۔ پھر ایسا شخص کیونکر مورد عذاب ہو سکتا ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کامل محبت میں نجات ہے۔ بھلا تم سچ کہو کہ کیا تم اپنے ایک بچے کو جس سے تم بہت ہی محبت رکھتے ہو دانستہ آگ میں ڈال سکتے ہو؟ پھر خدا جو سراسر محبت ہے ان لوگوں کو جو اس سے پیار کرتے ہیں اور ذرہ ذرہ ان کا اس کی محبت میں مستغرق ہے کیونکر آگ میں ڈالے گا۔ پس کوئی قربانی اس سے بہتر قربانی نہیں ہے کہ انسان اس محبوب حقیقی سے اس قدر محبت کرے کہ خود وہ اس بات کو محسوس کرے کہ درحقیقت اس کے سوا کوئی اس کا محبوب اور پیارا نہیں اور نہ صرف اس قدر بلکہ اس کے لئے خود اپنے نفس کی محبت بھی چھوڑ دے۔ اور اس کے لئے تلخ زندگی اختیار کرے جب اس نکتہ کمال تک پہنچ جائے تو بلاشبہ وہ نجات یافتہ ہے۔...... پھر خدا کی محبت اس کے شامل حال ہو کر ایک سکینت اور شانتی اس کے دل پر نازل کرتی ہے اور خدا وہ معاملات اس سے شروع کر دیتا ہے جو خاص اپنے پیاروں اور مقبولوں سے کرتا آیا ہے یعنی اس کی اکثر دعائیں قبول

کر لیتا ہے اور معرفت کی باریک باتیں اس کو سکھلاتا ہے اور بہت سی غیب کی باتوں پر اس کو اطلاع دیتا ہے اور اس کے منشاء کے مطابق دنیا میں تصرفات کرتا ہے اور عزت اور قبولیت کے ساتھ دنیا میں اس کو شہرت دیتا ہے۔ اور جو شخص اس کی دشمنی سے باز نہ آوے اور اس کے ذلیل کرنے کے درپے رہے آخر اس کو ذلیل کر دیتا ہے۔ اور اس کی خارق عادت طور پر تائید کرتا ہے اور لاکھوں انسانوں کے دلوں میں اس کی الفت ڈال دیتا ہے اور عجیب و غریب کرامتیں اس سے ظہور میں لاتا ہے اور محض خدا کے الہام سے لوگوں کے دلوں کو اس کی طرف کشش ہو جاتی ہے۔ تب وہ انواع و اقسام کے تحائف اور نقد اور جنس کے ساتھ اس کی خدمت کے لئے دوڑتے ہیں اور خدا اس سے نہایت لذیذ اور پرشوکت کلام کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے جیسا کہ ایک دوست ایک دوست سے کرتا ہے۔ وہ خدا جو دنیا کی آنکھ سے مخفی ہے وہ اس پر ظاہر ہو جاتا ہے اور ہر ایک غم کے وقت اپنی کلام سے اس کو تسلی دیتا ہے......... غرض اسی طرح وہ اپنے کلام اور کام کے ساتھ اپنا وجود اس پر ظاہر کر دیتا ہے تب وہ ہر ایک گناہ سے پاک ہو کر اس کمال تک پہنچ جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

(چشمہ معرفت صفحہ ۵۰ تا صفحہ ۵۲ آخر)

تب انہوں نے (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) خدا کے راضی کرنے کیلئے ان مجاہدات کو اختیار کیا کہ جن سے بڑھ کر انسان کے لئے متصور نہیں۔ انہوں نے خدا کی راہ میں اپنی جانوں کا خس و خاشاک کی طرح بھی قدر نہ کیا۔ آخر وہ قبول

کئے گئے۔ اور خدا نے ان کے دلوں کو گناہ سے بکلی بیزار کر دیا۔ اور نیکی کی محبت ڈال دی۔

(چشمۂ معرفت ص۵۷ آخر)

درحقیقت خدا ایک ہی ہے صرف یہ فرق ہے کہ جو شخص بڑا صدق لے کر اس کی طرف دوڑتا ہے وہ بھی اس کے لئے بڑے بڑے کام دکھاتا ہے یہاں تک کہ اپنے زمین و آسمان کو اس کے لئے غلاموں کی طرح کر دیتا ہے مگر جو شخص اپنے صدق اور وفا اور استقامت اور اپنے ایمان میں کمزور ہے خدا بھی اس کے لئے کمزور کی طرح ظاہر ہوتا ہے اور اس کو طرح طرح کی ذلت اور ناکامی میں چھوڑ دیتا ہے اور وہ مصیبت کے ساتھ رزق حاصل کرتا ہے اور اسباب کے شکنجوں میں پھنسا رہتا ہے۔

...... جو شخص اس خدا کی طرف سچے دل سے رجوع کرتا ہے اور وفاداری اور صدق قدم سے اس کی طرف آتا ہے اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جیسا کہ خدا بے مثل ہے وہ بھی بے مثل ہو جاتا ہے۔

(چشمہ معرفت ص۵۸، ص۵۹ آخر)

میں اس جگہ کچھ گذشتہ قصوں کو بیان نہیں کرتا بلکہ میں وہی باتیں کرتا ہوں جن کا مجھے ذاتی علم ہے۔ میں نے قرآن شریف میں ایک زبردست طاقت پائی ہے۔ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ایک عجیب خاصیت دیکھی ہے جو کسی مذہب میں وہ خاصیت اور طاقت نہیں۔ اور وہ یہ کہ سچا پیرو اس کا مقامات ولایت تک پہنچ جاتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ قرب الٰہی کی تین قسمیں تین قسم کی تشبیہہ پر موقوف ہیں جن کی تفصیل سے مراتب ثلاثہ قرب کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ اوّل قسم قُرب کی خادم اور مخدوم کی تشبیہ سے مناسبت رکھتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ یعنی مومن جن کو دوسرے لفظوں میں بندہ فرماں بردار کہہ سکتے ہیں سب چیزوں سے زیادہ اپنے مولیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جیسے ایک نوکر با اخلاص و باصفا و باوفا بوجہ مشاہدہ احسانات متواترہ و انعامات متکاثرہ و کمالات ذاتیہ اپنے آقا کی اس قدر محبت و اخلاص و یک رنگی میں ترقی کر جاتا ہے جو بوجہ ذاتی محبت کے جو اُس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے اپنے آقا سے ہم طبیعت و ہم طریق ہو جاتا ہے اور اس کی مرادات کا ایسا ہی طالب اور خواہاں ہوتا ہے جیسے آقا خود اپنی مرادات کا خواہاں ہے، اسی طرح بندہ وفادار کی حالت اپنے مولیٰ کریم کے ساتھ ہوتی ہے یعنی وہ بھی اپنے خلوص اور صدق و صفا میں ترقی کرتا کرتا اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اپنے وجود سے بکلی محو و فنا ہو کر اپنے مولیٰ کریم کے رنگ میں مل جاتا ہے۔ ... ... سو یہ مقام ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جن کے سینے محبت غیر سے بالکل منزہ و صاف ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی رضامندی کو ڈھونڈنے کے لئے ہر ایک وقت جان قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ ... . قرب کی دوسری قسم ولد اور والد کی تشبیہ سے مناسبت رکھتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا۔ یعنی اپنے اللہ جل شانہٗ کو ایسے دلی جوش محبت سے یاد کرو جیسا باپوں کو یاد کیا جاتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ مخدوم اس وقت باپ سے مشابہ ہو جاتا ہے جب محبت میں غایت درجہ شدت واقع ہو جاتی ہے اور حُب جو ہر یک کدورت اور غرض سے مصفّٰا ہے دل کے تمام پردے چیر کر دل کی جڑھ میں اس طرح سے بیٹھ جاتی ہے کہ گویا اس کی جُز ہے تب

جس قدر جوش محبت اور پیوند شدید اپنے محبوب سے ہے وہ سب حقیقت میں مادر زاد معلوم ہوتا ہے۔ اور ایسا طبیعت سے ہمرنگ اور اس کی جزو ہو جاتا ہے کہ کسی اور کوشش کا ذریعہ ہرگز یاد نہیں رہتا اور جیسے بیٹے کو اپنے باپ کا وجود تصور کرنے سے ایک روحانی نسبت محسوس ہوتی ہے ایسا ہی اس کو بھی ہر وقت باطنی طور پر اس نسبت کا احساس ہوتا رہتا ہے۔ ... ... غرض اس درجہ میں محبت کمال نوبت تک پہنچ جاتی ہے اور مناسبت اور مشابہت بال بال میں ظاہر ہو جاتی ہے۔

تیسری قسم کا قرب ایسی شخص کی صورت اور اس کے عکس سے مشابہت رکھتا ہے یعنی جیسے ایک شخص آئینہ صاف و وسیع میں اپنی شکل دیکھتا ہے تو تمام شکل اس کی معہ اپنے تمام نقوش کے جو اس میں موجود ہیں عکسی طور پر اس آئینہ میں دکھائی دیتی ہے ایسا ہی اس قسم ثالث قرب میں تمام صفات الٰہیہ صاحب قرب کے وجود میں بہ تمام تر صفائی منعکس ہو جاتی ہیں۔ ... ... سو جب کہ نفس پاک بوجہ اپنے شدت قرب اور نہایت درجہ کی صفائی کی وجہ سے وتر کی حد سے آگے بڑھا اور دریائے الوہیت سے نزدیک تر ہوا تو اس ناپیدا کنار دریا میں جا پڑا اور الوہیت کے بحر اعظم میں ذرہ بشریت گم ہوگیا۔

(سرمہ چشم آریہ طبع اول صفحہ ۲۰۵ تا ۲۳۶ حاشیہ)

گناہ سے پاک ہونا بجز اس کے ممکن نہیں کہ ہیبت اللہ کی موت یقین کی تیز شعاعوں کی وجہ سے انسان کے دل پر وارد ہو جائے اور سچی محبت اور سچی ہیبت دل میں بس جائے اور دل خدا کے جمال اور جلال سے رنگین ہو جائے اور یہ دونوں کیفیتیں کبھی اور ہرگز دل میں آ ہی نہیں سکتیں جب تک کہ خدا کی ہستی اور اس کی ان دونوں قسم کے صفات پر یقین پیدا نہ ہو۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ نجات کی جڑ اور نجات کا ذریعہ صرف یقین ہے۔ وہ یقین ہی ہے کہ باوجود بلاؤں کے سامنے کے اطاعت کے لئے گردن جھکا دیتا اور آگ میں داخل ہونے کے لئے کھڑا کر دیتا ہے۔ وہ یقینی نظارہ ہی ہے جو عاشق بنا دیتا ہے اور مرنے کے لئے تیار کر دیتا ہے۔ وہ یقینی نظارہ ہی ہے کہ جس سے انسان خدا کے لئے آرام کا پہلو چھوڑتا اور مخلوق کی تعریف اور تحسین سے لاپرواہ ہو جاتا اور ایک کے لئے تمام دنیا کو اپنا خطرناک دشمن بنا لیتا ہے۔ انسان یقینی ہیبت کی وجہ سے مباح چیزوں کو بھی ڈرتا ڈرتا ہی استعمال کرتا ہے اور زبان کو ناگفتنی باتوں سے روکتا ہے۔ گویا اس کے منہ میں سنگریزے ہیں اور یہ یقین یا تو دیدار سے میسر آتا ہے اور یا اس گفتار سے جو خدا کا یقینی کلام ہے۔

(نزول المسیح صفحہ ۱۱۱)

اور مجھے اُس نے مسیح موعود کر کے بھیجا اور

مَیں اسکی نبوّت کے لئے تمام دُنیا میں گواہی دُوں۔ اگر مَیں بے دلیل یہ دعویٰ کرتا ہوں تو

جھوٹا ہوں لیکن اگر خُدا اپنے نشانوں کے ساتھ اِس طور سے میری گواہی دیتا ہے کہ اس

زمانہ میں مشرق سے مغرب تک اور شمال سے لیکر جنوب تک اسکی نظیر نہیں تو انصاف اور

خُداترسی کا مقتضا یہی ہے کہ مجھے میری اِس تمام تعلیم کے ساتھ قبول کریں۔ خُدا نے

میرے لئے وُہ نشان دکھائے کہ اگر وُہ اُن اُمّتوں کے وقت نشان دِکھلائے جاتے جو

پانی اور آگ اور ہوا سے ہلاک کی گئیں تو وُہ ہلاک نہ ہوتیں مگر اِس زمانہ کے لوگوں کو

مَیں کس سے تشبیہ دُوں وُہ اُس بدقسمت کی طرح ہیں جسکی آنکھیں بھی ہیں پر دیکھتا نہیں

اور کان بھی ہیں پر سُنتا نہیں اور عقل بھی ہے پر سمجھتا نہیں۔ مَیں اُن کیلئے روتا ہوں اور

وُہ مجھ پر ہنستے ہیں۔ اور مَیں اُنکو زندگانی کا پانی دیتا ہوں۔ اور وُہ مجھ پر آگ برساتے ہیں۔

خدا میرے پر نہ صرف اپنے قول سے ظاہر ہُوا ہے بلکہ اپنے فعل کے ساتھ بھی اُس نے

میرے پر تجلّی کی اور میرے لئے وُہ کام دکھلائے اور دکھلائیگا کہ جبتک کسی پر

خُدا کا خاص فضل نہ ہو اس کیلئے یہ کام دِکھلائے نہیں جاتے۔ لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا

لیکن خُدا نے مجھے قبول کیا۔ کون ہے جو اِن نشانوں کے دِکھلانے میں میرے

مقابل پر آسکتا ہے۔ مَیں ظاہر ہُوا ہوں تا خدا میرے ذریعہ سے ظاہر ہو۔

هرکہ آں در گرفت کارش شد   صد امیدے برو نگارش شد

مثل آں دِلستاں کجا دیدی   پس چرا ہجر او پسندیدی

ایں جہاں است مثل مردارے   ہر طرف چوں سگے طلبگارے

رُست آنکس کہ رُست زیں مُردار   خاک شد تا مگر شود خوش یار

لطف او ترک طالبان نہ کند   کس بکارش زیاں نہ کُند

ہرکہ از خود شد ازو دش تواند   نکتہ ہست گر کسے داند

(نزول المسیح صفحہ ۹۷ تا صفحہ ۱۰۷)

اِن تمام انعامات میں سے بزرگ تر انعام وحی یقینی کا انعام ہے کیونکہ

گفتارِ الٰہی قائم مقام دیدارِ الٰہی ہے۔

(نزول المسیح صفحہ ۱۰۹)

لیکن یاد رہے کہ ضرور اُن انعامات میں جو نبیوں کو دیئے گئے اس

اُمّت کے لئے حصّہ رکھا گیا ہے کیونکہ اگر مسلمانوں کے کامل افراد کی فطرتوں

میں یہ حصّہ نہ ہوتا تو اُن کے دلوں میں یہ خواہش نہ پائی جاتی کہ وہ خداشناسی

کے درجہ میں حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جائیں۔ اور اُن انعامات سے سب سے

بڑھ کر یقینی مخاطبات اور مکالمات کا انعام ہے جس سے انسان اپنی خداشناسی

میں پوری ترقی کرتا ہے۔ گویا ایک طور سے خدا تعالےٰ کو دیکھ لیتا ہے اور اس کی ہستی

پر رویت کے رنگ میں ایمان لاتا ہے تب الٰہی ہیبت پُورے طور پر اُس کے دل

پر کام کرتی ہے۔ اور جیسا کہ ہر ایک جگہ رویت اور یقین کا خاصہ ہے وہ خاصہ

اس کے اندر اپنا کام کرنے لگتا ہے۔

دُوسرا امر

پھر ایک اور جگہ قرآن شریف

میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوْا بَلٰی [1] یعنی میں نے رُوحوں کو پوچھا کہ کیا میں
تمہارا پیدا کرنیوالا نہیں تو تمام رُوحوں نے یہی جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ
رُوحوں کی فطرت میں یہی منقش اور مرکوز ہے کہ وہ اپنے پیدا کنندہ کی قائل ہیں اور پھر بعض انسان
غفلت کی تاریکی میں پڑ کر اور پلید تعلیموں سے متاثر ہو کر کوئی دہریہ بن جاتا ہے اور کوئی آریہ
اور اپنی فطرت کے مخالف اپنے پیدا کنندہ سے انکار کرنے لگتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے
باپ اور ماں کی محبت رکھتا ہے یہاں تک کہ بعض بچے ماں کے مرنے کے بعد مر جاتے ہیں
پھر اگر انسانی رُوحیں خدا کے ہاتھ سے نہیں نکلیں اور اس کی پیدا کردہ نہیں تو خدا کی محبت کا نمک
کس نے اُن کی فطرت پر چھڑک دیا ہے اور کیوں انسان جب اُس کی آنکھ کھلتی ہے اور پردہ
غفلت دُور ہوتا ہے تو دل اُس کا خدا کی طرف کھینچا جاتا ہے اور محبت الٰہی کا دریا اس کے
سینہ میں بہنے لگتا ہے آخر اُن روحوں کا خدا سے کوئی رشتہ تو ہوتا ہے جو اُن کو محبت الٰہی
میں دیوانہ کی طرح بنا دیتا ہے وہ خدا کی محبت میں ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ تمام چیزیں اس
کی راہ میں قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں سچ تو یہ ہے کہ وہ عجیب تعلق ہے ایسا تعلق نہ ماں
کا ہوتا ہے نہ باپ کا۔ پس اگر بقول آریوں کے رُوحیں خود بخود ہیں تو یہ تعلق کیوں پیدا ہو گیا
اور کس نے یہ محبت اور عشق کی قوتیں خدا تعالیٰ کے ساتھ رُوحوں میں رکھ دیں یہ مقام سوچنے
کا مقام ہے اور یہی مقام ایک سچی معرفت کی کنجی ہے

[1] سورۃ الاعراف: ۱۷۳

اور پھر دُوسرا اشکر یہ ہے کہ وُہ خدا جو کبھی اپنے وجود کو بے دلیل [31]
نہیں چھوڑتا۔ وُہ جیسا کہ تمام نبیوں پر ظاہر ہوا۔ اور ابتداء سے
زمین کو تاریکی میں پا کر روشن کرتا آیا ہے اُس نے اس زمانہ کو بھی اپنے
فیض سے محروم نہیں رکھا۔ بلکہ جب دُنیا کو آسمانی روشنی سے دُور
پایا۔ تب اُس نے چاہا کہ زمین کی سطح کو ایک نئی معرفت سے مُنوّر کرے۔
اور نئے نشان دکھائے۔ اور زمین کو روشن کرے۔

سو اُس نے مجھے بھیجا

حصہ دوم

حمدیہ اعارفانہ۔ منظوم فارسی کلام

ھو

ہر دم از کارگاہ عالم آواز لیست | کہ یکش بانی و بنا ساز لیست

یہ نظام عالم اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ اس جہان کا کوئی بانی اور صانع ضرور ہے

نہ کس اور اشریک و انباز لیست | نے بکارش دخیل و ہمراز لیست

نہ کوئی اُس کا شریک ہے نہ ساجھی۔ نہ اُس کے کام میں کوئی دخیل ہے نہ کوئی اُس کا ہمراز ہے

ایں جہاں را عمارت انداز لیست | وز جہاں برتر است و ممتاز لیست

وہ اس جہان کا بنانے والا ہے۔ مگر خود جہان سے بالاتر اور ممتاز ہے

وحدہٗ لاشریک حی و قدیر | لم یزل لایزال فرد و بصیر

وہ اکیلا لاشریک۔ زندہ اور قادر ہے ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ یگانہ اور باخبر ہے

کارساز جہان و پاک و قدیم | خالق و رازق و کریم و رحیم

جہان کا کارساز، پاک اور قدیم ہے۔ پیدا کرنے والا، روزی پہنچانے والا، مہربان اور رحیم ہے

رہنمائے معلم رہ دین | ہادی و ملہم علوم یقین

وہ رہنما اور معلم دین ہے۔ وہ ہادی اور یقینی علوم کا الہام کرنے والا ہے

متصف با ہمہ صفات کمال | برتر از شائبۂ آل و مآل

تمام صفات کاملہ سے متصف اور آل و مآل کے کھٹکوں سے بے نیاز ہے

بر یکے حال ہست در ہمہ حال | رہ نیابد بدو فنا و زوال

ہر زمانہ میں ایک ہی حال پر قائم ہے۔ فنا اور زوال کا اس کے حضور گزر نہیں

نیست از حکم او برون چیزے | نہ ز چیز لیست او نہ چون چیزے

نہ ہی اُس کے حکم سے باہر نہیں ہے، نہ وہ کسی سے نکلا ہے اور نہ کسی کی مانند ہے

نتواں گفت لامس اشیا ست | نے تواں گفتن اینکہ دور از ما ست

نہیں کہہ سکتے کہ وہ چیزوں کو چھوتا ہے۔ نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہم سے دور ہے

ذات او گرچہ ہست بالاتر | نتواں گفت زیر اوست دگر

اس کی ذات اگرچہ سب سے بالاتر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اُس کے نیچے کوئی اور چیز بھی ہے

ہرچہ آید بفہم و عقل و قیاس | ذات او برتر ست زاں وسواس

جو کچھ فہم عقل اور قیاس میں آسکتا ہے اُس کی ذات ہر اس خیال سے بالاتر ہے

ذات بیچون و چند افتاد ست | وز حدود و قیود آزاد ست /

اس کی ذات بے مثل اور یکتا ہے اور حدود و قیود سے آزاد ہے

نہ وجودے بذات او انباز | نہ کسے در صفات او انباز

نہ وجود اُس کا ہمسر نہیں نہ کوئی اس کی صفات میں اُس کے برابر ہے

ہمہ پیدا ز دست قدرت او | کثرت شاں گواہ وحدت او

سب کچھ اُس کی قدرت سے پیدا ہوا ہے اُن کی کثرت اُس کی وحدت پر گواہ ہے

گر شریکش بُدے بہ خلق دگر
گشتے ایں جملہ خلق زیر و زبر

اگر مخلوق میں سے کوئی اُس کا شریک ہوتا تو یہ تمام دنیا زیر و زبر ہو

ہر چہ از وصف خاکی و خاکست
ذاتِ بیچوں ازاں پاکست

خاک اور خاکی مخلوق کی جو صفات ہیں اُس کی بے مثل ذات اُن سے پاک ہے

بند بر پائے ہر وجود نہاد
خود ز ہر قید و بند ہست آزاد

ہر وجود کے لیے اُس نے کچھ پابندیاں لگا دی ہیں مگر خود ہر قید اور پابندی سے آزاد

آدمی بندہ ہست و نفس بند
در دو صد حرص و آز سر بکمند

آدمی غلام ہے اور اُس کا نفس مقید ہے سدا خواہشوں اور لالچوں میں پھنسا ہوا

ہمچنیں بندہ آفتاب و قمر
بند در سیرگاہِ خویش و مقر

اسی طرح سورج اور چاند بھی مجبور ہیں اپنے اپنے راستوں پر چلنے کے لیے لاچار

ماہ را نیست طاقتِ ایں کار
کہ بتابد بروز چوں اجرام

چاند کو اس امر کی قدرت حاصل نہیں کہ وہ دن کو آزادانہ چمک

نیز خورشید را نہ یارائے
کہ نہد بر سریرِ شب پائے

اسی طرح سورج کو بھی یہ قوت نہیں کہ وہ رات کے تخت پر قدم

آب ہم بندہ ہست زینکہ مدام
بند در سردی است نے خود کام

پانی بھی مجبور ہے کیونکہ ہمیشہ سردی میں جم جاتا ہے۔ مرضی کا مالک

آتشے نیز نیز بندۂ او
در چنیں سوزشے فگندۂ او

نیز آگ بھی اُس کی تابعدار ہے اور ایسی جلن میں اُسی کی ڈالی ہوئی ہے

گر برآری بہ پیش او فریاد
گرمیش کم نہ گردد اے استاد

گر تو اس آگ سے التجا کرے تب بھی اے شخص! اُس کی گرمی کم نہ ہو گی

پائے اشجار در زمیں بند ست
سخت در پا سلاسل افگندست

درختوں کے تنے زمیں میں پیوست ہیں، اُن کے پاؤں میں مضبوط زنجیریں ڈال دی ہیں

ایں ہمہ بندگانِ آں یکذات
بر وجودش دلائل و آیات

سب چیزیں اُسی ہستی سے وابستہ ہیں اور اُس کے وجود پر دلائل اور نشان ہیں

اے خداوندِ خلق و عالمیاں
خلق و عالم ز قدرتت حیراں

اے جہانوں اور مخلوقات کے آقا! دنیا اور مخلوق تیری قدرت سے حیران ہے

بس عجیب ست شان و شوکتِ تو
چہ عجیب ست کار و صنعتِ تو

تیری شان و شوکت کس قدر باعظمت ہے تیری صنعت اور تیرا کام کتنا عجیب ہے

حمد را با تو نسبت از آغاز
نے در آں کس شریک نے انباز

شروع ہی سے حمد کا تیرے ساتھ تعلق ہے اور اس معاملہ میں نہ کوئی تیرا شریک ہے نہ ہمسر

تو وحیدی و بے نظیر و قدیم
منزّہ ز ہر قسیم و سہیم

تُو اکیلا بے مثل اور ازلی ہے اور ہر ساجھی اور شریک سے پاک

کس نظیرِ تو نیست در دو جہاں
ہر دو عالم توئی خدائے یگاں

دونوں جہان میں تیرا کوئی نظیر نہیں۔ دونوں عالم میں تو اکیلا ہی تنہا ہے

زورِ تو غالب ست بر ہمہ چیز
ہمہ چیزے بہ جنبِ تو ناچیز

ہر شے پر تیری طاقت غالب ہے اور ہر چیز تیرے مقابل پر ہیچ ہے

ترست ایمن کند ز ترس و خطر | هر کہ عارف تر ست ترساں تر

تیرا خوف ہر ڈر اور خطرہ سے محفوظ کر دیتا ہے جو تیری معرفت زیادہ رکھتا ہے وہی تجھ سے زیادہ ڈرتا ہے

خلق جوید پناہ و سایۂ کس | واں پناہ ہمہ تو ہستی و بس

مخلوق کسی کی پناہ اور سایہ ڈھونڈتی ہے مگر سب کی پناہ صرف تیری ذات ہے

ہست یادت کلید ہر کارے | خاطرے بے تو خاطر آزارے

تیری یاد ہر مشکل کی کلید ہے۔ تیرے بغیر ہر خیال دل کا دکھ ہے

ہر کہ نالد بدرگہت بہ نیاز | بختِ گم کردہ را بیابد باز

جو تیرے حضور میں عاجزی سے روتا ہے وہ اپنی گم گشتہ قسمت کو دوبارہ پاتا ہے

لطفِ تو ترکِ طالباں نکند | کس بیکارِ رحمت زیاں نکند

تیری مہربانیاں طالبوں کو نہیں چھوڑتیں۔ کوئی تیرے معاملہ میں نقصان نہیں اٹھاتا

ہر کہ با ذاتِ تو سرے دارد | پشت بر روئے دیگرے دارد

جو شخص صرف تجھ سے تعلق رکھتا ہے وہ دوسرے کی طرف پیٹھ پھیر لیتا ہے

زانکہ چوں کار بر تو بگذارد | رو بہ اغیار از چہ رو آرد

کیونکہ جب وہ اپنا معاملہ تجھ پر چھوڑ دیتا ہے تو پھر کیوں غیروں کی طرف توجہ کرے

ذاتِ پاکت بس ست یار یکے | دل یکے جاں یکے نگار یکے

تیری ذاتِ پاک کا ہمارے لیے دوست ہونا کافی ہے دل بھی ایک ہے جان بھی ایک ہے محبوب بھی ایک ہی ہے

ہر کہ پوشیدہ با تو در سازد | رحمتت آشکار بنوازد

جو پوشیدگی میں تجھ سے تعلق رکھتا ہے۔ تیری رحمت کھلم کھلا اس پر مہربانی کرتی ہے

مہرِ آں زندہ نورت افزاید | مہرِ ایں مردگان چہ کار آید

اس زندہ کی محبت تیرے نور کو بڑھائے گی۔ ان مردوں کی محبت بھلا کس کام آئے گی

لقمہ و معدہ و سہر و دستار | ہر بسر ہست بخششِ دادار

کھانا۔ معدہ۔ سر اور دستار سب کی سب خدا کی بخششیں ہیں !

حقِ باری شناس و شرم بدار | پیش زاں کز جہاں بہ بندی بار

خالق کا حق پہچان اور شرم کر اس سے پہلے کہ تو دنیا سے رخصت ہو

رو ازو از چہ رو بگردانی | سگ وفا مے کند تو انسانی

کیوں تو اس سے منہ پھیرتا ہے۔ کتا بھی وفا کرتا ہے تو تو آدمی ہے

ترس باید ز قادرے اکبر | ہر کہ عارف تر ست ترساں تر

قدرت والے خدائے برتر سے خوف چاہیئے۔ جو زیادہ خدا شناس ہے وہی زیادہ ڈرتا ہے

فاسقاں در سیاہ کاری اند | عارفاں در دعا و زاری اند

بدکار لوگ برے کاموں میں مشغول ہیں عارف لوگ دعا اور زاری میں مصروف ہیں

اے خنک دیدہ کہ گریانش | اے ہمایوں دلے کہ بریانش

ٹھنڈی رہے وہ آنکھ جو اس کے لیے روتی ہے مبارک ہے وہ دل جو اس کے لیے جلتا ہے

اے مبارک کسے کہ طالبِ اوست | فارغ از عمرو زید با رخِ دوست

برکت ہے وہ جو اس کا طالب ہے۔ اور عمرو زید کے خیال سے الگ ہو کر اس کے حضور میں رہتا ہے

ہر کہ گیرد رہِ خدائے یگاں ! | آں خدایش بس ست در دو جہاں

جو بھی خدائے واحد کا راستہ اختیار کریگا اس کے لیے خدا تعالیٰ دونوں جہانوں میں کافی ہے

لاجرم طالب رضائے خدا | بگسلد از ہمہ برائے خدا

یہ پکی بات ہے کہ خدا کی رضا کا طالب خدا کے لیے ہر ایک سے قطع تعلق کر لیتا ہے

شیوہ اش مے شود فدا گشتن | ق | بہرِ حق ہم ز جاں جدا گشتن

اس کا مذہب تو یار پر قربان ہو جانا اور خدا کے لیے اپنی جان سے جدا ہونا ہے

در رضائے خدا شدن چوں خاک | نیستی و فنا و استہلاک

خدا کی رضا میں خاک ہو جانا اور نیستی اور فنا اور ہلاکت کا طالب ہے

دل نہادن در آنچہ مرضیٔ یار | صبر زیرِ مجاریٔ اقدار

جو یار کی مرضی ہو اُس پر راضی ہونا اور جاری شدہ قضا و قدر پر صبر کرنا

تو بحق نیز دیگرے خواہی | ایں خیال ست اصلِ گمراہی

تو خدا کے ساتھ اور دل کو بھی چاہتا ہے۔ بس یہی خیال گمراہی کی جڑ ہے

اگر دہندت بصیرت و مردی | از ہمہ خلق سوئے حق گردی

اگر تجھ میں عقل اور دلیری ہو تو تو صرف خدا ہی کی طرف متوجہ رہے

در حقیقت بس است یار یکے | دل یکے جاں یکے نگار یکے

در حقیقت محبوب ایک ہی کافی ہے کیونکہ دل بھی ایک ہوتا ہے اور جان بھی ایک اس لئے محبوب بھی ایک ہونا چاہئے

ہر کہ او عاشقِ یکے باشد | ترکِ جاں پیشش اند کے باشد

جو ایک ہی ہستی کا عاشق ہوگا جان دینا اُس کے لیے معمولی بات ہوگی

کوئے او باشدش ز بستاں بہ | ق | روئے او باشدش ز ریحاں بہ

اُس کا کوچہ اُسے باغ سے زیادہ اچھا لگتا ہے اور اُس کا منہ پھول سے زیادہ اُسے پسند ہوتا ہے

تا نہ گردد نگوں سرت بہ نیاز | پردہ از نفسِ تو نگردد باز

جب تک نیاز کے ساتھ تیرا سر نیچا نہ ہوگا تب تک تیرے نفس کے حجاب دور نہ ہوں گے

تا نہ ریزد ترا ہمہ پر و بال | اندر ایں جا پریدن است محال

جب تک تیرے سارے پر و بال نہ جھڑ جائیں گے تب تک اس جگہ پرواز کرنا ناممکن ہے

نازِ ای است قوتِ اینجا | ایں چنیں قوتے بیار و بیا

نازاری اس جگہ کی طاقت ہے۔ پس ایسی قوت پیدا کر اور آجا

پردہ نیست بر رخِ دلدار | تو زِ خود پردۂ خودی بردار

دلدار کے منہ پر کوئی نقاب نہیں تو اپنے اوپر سے انانیت کا پردہ اُٹھا دے

ہر کرا دولتِ ازل شد یار | کارِ او شد تذلّل اندر کار

ازلی خوش قسمتی جس شخص کی مددگار ہو جاتی ہے تو اُس کا کام اپنے معاملہ میں خاکساری ہو جاتا ہے

آں در آمد بہ حضرتِ بے چوں | کہ شد از تنگنائے کبر بروں

وہی شخص بے مثل خدا کی حضوری میں آجاتا ہے جو تکبر کے تنگ کوچہ سے باہر نکل جاتا ہے

حق شناسی ز خود روی ناید | خود روی خود روی بیفزاید

خود روی سے حق شناسی حاصل نہیں ہوتی بلکہ خود روی تو خود روی کو ہی زیادہ کرتی ہے

از خودی حالِ خود خراب مکن | شپرہ کارِ آفتاب مکن

خودی سے اپنا حال تباہ نہ کر۔ تو تو چمگادڑ ہے۔ آفتاب کا کام اختیار نہ کر

تا بشر پُر بود ز پندارے | اندرونش تہی بود ز یارے

جب تک بشر تکبر سے بھرا ہوتا ہے اُس کا دل یار سے خالی ہوتا ہے

کاملاں حیّ اند ہم زیرِ زمین	تو بگوری با حیاتِ ایں چنیں

کامل لوگ تو زمین کے نیچے بھی زندہ ہیں اور تو اس زندگی کے باوجود قبر میں پڑا ہے

سالہا باید کہ خونِ دل خوری	تا بکوئے دلستانے رہ بری

بہت سال درکار ہیں کہ تو خونِ دل کھاتا رہے تب جا کر کہیں اس معشوق تک پہنچے

کے بآسانی رہے بکشایدت	صد جنوں باید کہ تا ہوش آیدت

آسانی سے راستہ کہاں کھل سکتا ہے۔ سینکڑوں دیوانگیاں چاہئیں تا کہ تجھے ہوش آئے

(براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۵۰۶
مطبوعہ ۱۸۸۴ء)

ہمیں مرگست گر یاراں بپوشند روئے یاراں را	بیکدم مے کند وقتِ خزاں فصلِ بہاراں را

یہ موت ہی تو ہے جو دوستوں سے دوستوں کا منہ چھپا دیتی ہے اور فصلِ بہار کو یکدم خزاں میں تبدیل کر دیتی ہے

(براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۵۱۱)

ہست فرقانِ مبارک از خدا طیّب شجر	نونہال و نیک بود و سایہ دار و پُر ثمر

قرآن پاک خدا کی طرف سے ایک پاکیزہ درخت ہے جو نونہال اور نیک اصل تھا اور سایہ دار پھلوں سے لدا ہوا ہے

میوہ گر خواہی بیا زیرِ درختِ میوہ دار	گر خرد مندی مجنبان بید را بہرِ ثمر

اگر تو میوہ چاہتا ہے تو میوہ دار درخت کے نیچے آ۔ اگر عقلمند ہے تو بید کے درخت کو پھلوں کے لئے نہ ہلا

ور نیاید باورت در وصفِ فرقانِ مجید	حسنِ آں شاہد بپرس از شاہداں یا خود نگر

اگر تجھے قرآن مجید کی خوبیوں پر یقین نہیں ہے تو اس محبوب کا حسن دیکھنے والوں سے پوچھ یا خود تحقیق کر

زاں نامد پئے تحقیق و در کین مبتلاست	آدمی ہرگز نباشد ہست او بدتر زِ خر

جو شخص تحقیق کے لیے نہیں آیا اور دشمنی میں لگا ہوا ہے وہ ہرگز آدمی نہیں بلکہ گدھے سے بھی بدتر ہے

(براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۵۱۳
مطبوعہ ۱۸۸۴ء)

اے خالقِ ارض و سما بر من درِ رحمت کشا	دانی تو آں دردِ مرا کز دیگراں پنہاں کنم

اے خالقِ ارض و سما مجھ پر درِ رحمت کھول تو میرے اس درد کو جانتا ہے جسے میں اوروں سے چھپاتا ہوں

بس لطفی دلبرا در ہر رگ و تارم در آ	تا چوں بجویابم ترا دل خوشتر از بستاں کنم

اے دلبر تو بہت لطیف ہے میرے ہر رگ و ریشہ میں داخل ہو جا تا کہ جب تجھے اپنے اندر پاؤں تو اپنا دل چمن سے بھی زیادہ خوشتر کر دوں

[illegible] اے پاک خو جاں بر کنم در ہجرِ تو	زانساں ہمی گریم کزو یک عالمے گریاں کنم

اے نیک صفات اگر تو انکار کرے تو تیرے فراق میں جان دے دوں گا اور اتنا روؤں گا کہ ایک عالم کو رُلا دوں گا

خواہی بقہرم کن جدا خواہی بلطفم رو نما	خواہی بکُش یا کن رہا کے ترکِ آں داماں کنم

چاہے تو مجھے قہر سے جدا کر دے چاہے لطف فرما کر اپنا چہرہ دکھا دے خواہ مار یا چھوڑ میں تیرے دامن کو نہیں چھوڑ سکتا

(براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۵۱۴
مطبوعہ ۱۸۸۴ء)

اے خدا اے چارۂ آزارِ ما	اے علاجِ گریہ ہائے زارِ ما

اے خدا اے ہمارے دکھوں کی دوا اور اے ہماری گریہ و زاری کا علاج

اے تو مرہم بخشِ جانِ ریشِ ما	اے تو دلدارِ دلِ غم کیشِ ما

تو ہماری زخمی جان پر مرہم رکھنے والا ہے اور تو ہمارے غمزدہ دل کی دلداری کرنے والا ہے

سخت شورے اوفتاد اندر زمیں ۔۔۔ رحم کن بر خلق اے جان آفریں

دنیا میں سخت شور پڑ گیا ہے۔ اے پیدا کرنے والے خدا اپنی مخلوقات پر رحم کر

(ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ ... ۱۸۹۱ء)

عزیزاں بے خلوص و صدق نکشاید رہے را ۔۔۔ مصفا قطرۂ باید کہ تا گوہر شود پیدا

اے عزیزو بغیر اخلاص اور سچائی کے کوئی راہ نہیں کھل سکتی۔ مصفا قطرہ چاہیے تا کہ موتی پیدا ...

(ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ ۸۲۵ ۱۸۹۱ء)

اے خداوند رہنمائے جہاں! ۔۔۔ صادقاں را از کاذباں برہاں!

اے جہاں کو ہدایت دینے والے مالک سچوں کو جھوٹوں کی گرفت سے رہائی بخش

آتش افتاد در جہاں ز فساد ۔۔۔ الغیاث اے مغیث عالمیاں

فساد کی وجہ سے دنیا میں آگ لگ گئی۔ اے اہل جہان کے فریاد رس امداد کو پہنچ

(آسمانی فیصلہ صفحہ ا مطبوعہ ۱۸۹۱ء)

اے خدا اے مالک ارض و سما ۔۔۔ اے پناہ حزب خود در ہر بلا

اے خدا۔ اے زمین و آسمان کے مالک۔ اے ہر مصیبت میں اپنی جماعت کی پشت پناہ

اے رحیم و دستگیر و رہنما! ۔۔۔ ایکہ در دستِ تو فضل است و قضا

اے رحیم دستگیر اور رہنما اے وہ کہ تیرے ہاتھ میں فیصلہ اور حکم ہے

سخت شورے اوفتاد اندر زمیں ۔۔۔ رحم کن بر خلق اے جان آفریں

زمین میں سخت شور برپا ہے اے جان آفریں! اپنی مخلوقات پر رحم کر

امرِ فیصل از جنابِ خود نما ۔۔۔ تا شود قطع نزاع و فتنہ ہا!

اپنی درگاہ سے کوئی فیصلہ کرنے والی بات ظاہر کر۔ تاکہ جھگڑے اور فساد بند ہو جائیں

(آسمانی فیصلہ صفحہ ۸)

گر خدا از بندۂ خوشنود نیست ۔۔۔ ہیچ حیوانے چو او مردود نیست

اگر خدا بندہ سے خوش نہیں ہے تو اس جیسا کوئی حیوان بھی مردود نہیں

گر سگِ نفسِ دنی را پروریم ۔۔۔ از سگانِ کوچہ ہا ہم کمتریم

اگر ہم اپنے ذلیل نفس کو پالنے میں لگے رہیں تو ہم گلیوں کے کتوں سے بھی بدتر ہیں

اے خدا اے طالباں را رہنما! ۔۔۔ ایکہ مہرِ تو حیاتِ روحِ ما!

اے خدا۔ اے طالبوں کے رہنما۔ اے وہ کہ تیری محبت ہماری روح کی زندگی ہے

بر رضائے خویش کن انجامِ ما ۔۔۔ تا بر آید در دو عالم کامِ ما!

ہمارا خاتمہ اپنی رضا پر کر کہ دونوں جہان میں ہماری مراد پوری ہو

خلق و عالم جملہ در شور و شر اند ۔۔۔ طالبانت در مقامِ دیگر اند

دنیا اور اس کے لوگ سب شور و شر میں مصروف ہیں۔ مگر تیرے طالب اور ہی مقام پر ہیں

آں یکے را نور مے بخشی بہ دل ۔۔۔ واں دگر را مے گذاری با بہ گل

ان میں سے ایک کے دل کو تو نور بخشتا ہے اور دوسرے کو کیچڑ میں پھنسا ہوا چھوڑ دیتا ہے

قربانِ تست جانِ من اے یارِ محسنم | با من کدام فرق تو کردی کہ من کنم

میرے محسن دوست میری جان تجھ پر قربان ہے تو نے مجھ سے کونسا فرق کیا ہے کہ میں تجھ سے کروں

ہر مطلب و مراد کہ می خواستم زغیب | ہر آرزو کہ بود بخاطر معیّنم

ہر مراد اور دعا جو میں نے غیب سے طلب کیا۔ اور ہر خواہش جو میرے دل میں تھی

از جود دادۂ ہمہ آں مدعائے من | واز لطف کردۂ گذرِ خود بمسکنم

تو نے اپنی مہربانی سے میری وہ مرادیں پوری کر دیں اور مہربانی فرما کر تو میرے گھر تشریف لایا

ہیچ آگہی نبود ز عشق و وفا مرا | خود ریختی متاعِ محبت بدامنم

مجھے عشق و وفا کی کچھ بھی خبر نہ تھی۔ تو نے ہی خود محبت کی یہ دولت میرے دامن میں ڈال دی

ایں خاکِ تیرہ را تو خود اکسیر کردۂ | بود آں جمالِ تو کہ نمود است احسنم

اس سیاہ مٹی کو تو نے خود اکسیر بنا دیا ہے | صرف تیرا ہی جمال ہے جو مجھے اچھا لگا

ایں صیقلِ دلم نہ بزہد و تعبد است | خود کردۂ بلطف و عنایات روشنم

میرے دل کی صفائی زہد اور کثرتِ عبادت کی وجہ سے نہیں بلکہ تو نے مجھے اپنی مہربانیوں سے روشن کر دیا ہے

صد منتِ تو ہست برین مشتِ خاکِ من | جانم رہینِ لطفِ عمیمِ تو ہم تنم!

میں ایک مشتِ خاک ہوں جس پر تیرے سینکڑوں احسان ہیں تیری مہربانیوں سے میرا جسم و جان زیر بار ہے

سہل است ترکِ ہر دو جہاں گر رضائے تو | آید بدست اے پنہ و کہف و مامنم!

دونوں جہان کا ترک کرنا آسان ہے اگر تیری رضا مل جائے اے میری پناہ اے میرے ٹھکانے اے میرے دار الامن

فصلِ بہار و موسمِ گل نایدم بکار | کاندر خیالِ روئے تو ہر دم بگلشنم!

فصلِ بہار اور پھولوں کا موسم میرے لیے بیکار ہیں کیونکہ میں تو ہر وقت تیرے چہرے کے خیال کی وجہ سے ایک چمن میں ہوں

چوں حاجتے بود بادیبِ دگر مرا | من تربیت پذیر ز ربِّ مہیمنم!

مجھے کسی اور استاد کی ضرورت کیوں ہو میں تو اپنے خدا سے تربیت حاصل کیے ہوئے ہوں

زاں ساں عنایتِ ازلی شد قریبِ من | کآمد ندائے یار ز ہر کوئے و برزنم

اس کی دائمی عنایت اس قدر میرے قریب ہو گئی کہ دوست کی آواز میری ہر گلی کوچے سے آنے لگی

یارب مرا بہر قدم استوار دار | واں روز خود مباد کہ عہدِ تو بشکنم

اے رب مجھے ہر قدم پر مضبوط رکھ اور ایسا کوئی دن نہ آئے کہ میں تیرا عہد توڑ دوں

در کوئے تو اگر سرِ عشاق را زنند | اول کسیکہ لافِ تعشق زند منم!

اگر تیرے کوچہ میں عاشقوں کے سر اتارے جائیں تو سب سے پہلے جو عشق کا دعویٰ کرے گا وہ میں ہوں گا

(آئینہ کمالاتِ اسلام آخری صفحہ)

مطبوعہ ۱۸۹۳ء

بے عنایاتِ خدا کار است خام | پختہ داند ایں سخن را والسلام

خدا کی مہربانی کے بغیر کام ادھورا رہتا ہے پختہ عقل ہی اس بات کو جانتا ہے۔ والسلام

(سراج منیر آخری صفحات)

مطبوعہ ۱۸۹۷ء

اے دلبر و دلستان و دلدار — واے جانِ جہان و نورِ انوار

اے دلبر، محبوب اور دلدار۔ اے جہاں کی جان اور نوروں کے نور

لرزاں ز تجلیت دل و جان — حیراں ز رخت قلوب و ابصار

جان و دل تیرے جلال سے کانپ رہے ہیں قلوب اور نظریں تیرے رخ کو دیکھ کر حیران ہیں

در ذاتِ تو جز تحیرے نیست — ہنگامِ نظر نصیبِ افکار!

تیری ذات کے بارے میں حیرت ہی حیرت ہے۔ غور و فکر سے جب بھی دیکھا جائے

در غیبی و قدرتت ہویدا — پنہانی و کار تو نمودار!

تو آپ غیب میں ہے مگر تیری قدرت ظاہر ہے تو مخفی ہے مگر تیرے کام نمایاں ہیں

دوری و قریب تر ز جاں ہم — نوری و نہاں تر از شبِ تار

تو دور ہے مگر جان سے بھی زیادہ نزدیک ہے تو نور ہے مگر اندھیری رات سے زیادہ پوشیدہ

آں کیست کہ انتہائے تو یافت — واں کو کہ شود محیطِ اسرار

وہ کون ہے جس نے تیری انتہا کو پایا اور وہ کون ہے جو تیرے بھیدوں پر حاوی ہو گیا

کردی دو جہاں عیاں ز قدرت — بے مادہ و بے نیازِ انصار

تو نے محض قدرت سے دونوں جہان پیدا کر دیئے بغیر مادہ کے اور بغیر مددگاروں کی امداد کے

سرمہ چشم آریہ صفحہ 1

باب پنجم

دعا

یقیناً میری دعا پتھر کو بھی پگھلا دیتی ہے۔

PRAYER

اعلموا ان الولایۃ کلھا فی اجابۃ الدعاء ولا معنی للولایۃ الا القبولیۃ فی حضرۃ الکبریاء۔

(ترجمہ از خاکسار) اور جان لو کہ ولایت ساری کی ساری قبولیت دعا میں ہے اور ولایت کے کچھ معنے نہیں سوائے اللہ کے حضور قبولیت کے۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام ط ۳۹۹)

عندی دُعاءٌ خاطفٌ کصواعقٍ — فحذار ثم حذارِ من ارجائی

میری دعا ایسا تیر ہے جو بجلیوں کی طرح تیزی سے اپنے نشانے پر جا لگتا ہے (پس مخالفانہ طور پر) میرے قریب آنے سے بچو اور پھر بچو۔

بَرَکَاتُ الدُّعَاء

جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ تب اس کی رُوح اُس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوتِ جذب جو اُس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے تب اللہ جل شانہٗ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً اگر بارش کے لئے دعا ہے تو بعد استجابت دُعا کے وہ اسباب طبعیہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں اس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور اگر قحط کے لئے بد دُعا ہے تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دعا میں ایک قوتِ تکوین پیدا ہو جاتی ہے یعنی باذنہٖ تعالیٰ وہ دعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرام فلکی

اور انسانوں کے دلوں کو اُس طرف لے آتی ہے جو طرف مؤید مطلوب ہے خدا تعالیٰ
کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں بلکہ اعجاز کی بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل
استجابتِ دُعا ہی ہے اور جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے یا جو
کچھ کہ اولیاء ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی
دُعا ہے اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرتِ قادر کا تماشا دکھلا
رہے ہیں۔ وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مُردے
تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور
آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور
دنیا میں ایک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا
اور نہ کسی کان نے سُنا کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری
راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دُنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں
کہ جو اس اُمّی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اللّٰھم صل وسلم
وبارك علیه وآله بعدد همه وغمه و
حزنه لهٰذه الامة وانزل علیه انوار
رحمتك الی الابد ۔ اور مَیں اپنے ذاتی تجربہ سے بھی دیکھ رہا
ہوں کہ دعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے بلکہ اسبابِ طبعیہ کے
سلسلہ میں کوئی چیز ایسی عظیم التاثیر نہیں جیسی کہ دُعا ہے۔

(برکات الدعا صفحہ ۹ تا ۱۱)

یہ بھی یاد رہے کہ دُعا کرنے میں صرف تضرّع کافی نہیں ہے بلکہ تقویٰ

اپنے لئے دُعا کرتا ہے یا جس کے لئے دعا کی گئی ہے اس کی دُنیا اور آخرت کے لئے
اس بات کا حاصل ہونا خلافِ مصلحتِ الٰہی بھی نہ ہو ... ... اور بجز اس کے اور
بھی کئی شرائط ہیں کہ جب تک وہ تمام جمع نہ ہوں اس وقت تک دعا کو دعا نہیں کہہ
سکتے۔ اور جب تک کسی دعا میں پوری روحانیت داخل نہ ہو اور جس کے لئے دُعا کی
گئی ہے اور جو دعا کرتا ہے ان میں استعداد قریبہ پیدا نہ ہو تب تک توقع اثرِ دعا
امید موہوم ہے۔

(برکات الدعا صفحہ ۱۰)

بلاشبہ ایک مومن کی دعائیں اپنے اندر اثر رکھتی ہیں اور آفات کے دُور
ہونے اور مرادات کے حاصل ہونے کا موجب ہو جاتی ہیں۔

(برکات الدعا صفحہ ۱۱)

دعا منجملہ اسبابِ عادیہ کے ہے جس پر ایک لاکھ سے زیادہ نبی اور کئی
کروڑ ولی گواہی دیتے چلے آئے ہیں۔ اور نبیوں کے ہاتھ میں بجز دعا کے اور کیا تھا۔

(... صفحہ ۱۲)

سوائے عزیز سید مجھے اس جل شانہٗ کی قسم ہے کہ یہ بات واقعی صحیح ہے کہ
وحی آسمان سے دل پر ایسی گرتی ہے جیسی کہ آفتاب کی شعاع دیوار پر۔ میں ہر روز دیکھتا
ہوں کہ جب مکالمہ الٰہیہ کا وقت آتا ہے تو اوّل یک دفعہ مجھ پر ایک ربودگی طاری ہوتی
ہے تب میں ایک تبدیل یافتہ چیز کی مانند ہو جاتا ہوں اور میری حس اور میرا ادراک اور

نے میرے تمام وجود کو اپنی مٹھی میں لے لیا ہے اور اس وقت احساس کرتا ہوں کہ میری ہستی کی تمام رگیں اس کے ہاتھ میں ہیں۔

(برکات الدعا ص۱۶ ب)

میں نے دیکھا ہے کہ وحی کے وقت جو برنگ وحی ولایت میرے پر نازل ہوتی ہے ایک خارجی اور شدید الاثر تصرف کا احساس ہوتا ہے اور بعض دفعہ یہ تصرف ایسا قوی ہوتا ہے کہ مجھ کو اپنے انوار میں ایسا دبا لیتا ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ میں اُس کی طرف ایسا کھینچا گیا ہوں کہ میری کوئی قوت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس تصرف میں کھلا اور روشن کلام سنتا ہوں۔ بعض وقت ملائکہ کو دیکھتا ہوں اور سچائی میں جو اثر اور ہیبت ہوتی ہے مشاہدہ کرتا ہوں اور وہ کلام بسا اوقات غیب کی باتوں پر مشتمل ہوتا ہے اور ایسا تصرف اور اخذ خارجی ہوتا ہے جس سے خدا تعالیٰ کا ثبوت ملتا ہے۔ اب اِس سے انکار کرنا ایک کھلی کھلی صداقت کا خون کرنا ہے۔

(ص۲۱)

اس دقیقہ کو دُنیا کی عقل نہیں سمجھ سکتی کہ انسان کامل خدا تعالیٰ کی رُوح کا جلوہ گاہ ہوتا ہے اور کبھی کامل انسان پر ایک ایسا وقت آجاتا ہے کہ وہ اس جلوہ کا عین وقت ہوتا ہے تو اُس وقت ہر ایک چیز اس سے ایسی ڈرتی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ سے۔ اس وقت اس کو درندہ کے آگے ڈال دو، آگ میں ڈال دو وہ اس سے کچھ بھی نقصان نہیں اُٹھائے گا کیونکہ اُس وقت خدا تعالیٰ کی رُوح اس پر ہوتی ہے اور ہر ایک چیز کا عہد ہے کہ اس سے ڈرے۔ یہ معرفت کا ایک اخیری بھید ہے جو بغیر صحبت کاملین سمجھ میں نہیں آسکتا چونکہ یہ نہایت دقیق اور پھر نہایت درجہ نادر الوقوع ہے اس لئے ہر ایک فہم اس فلاسفی سے

آگاہ نہیں۔ مگر یہ یاد رکھو کہ ہر ایک چیز خدا تعالیٰ کی آواز سنتی ہے۔ ہر ایک چیز پر خدا تعالیٰ کا تصرف ہے۔ اور ہر ایک چیز کی تمام ڈوریاں خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اس کی حکمت ایک بے انتہا حکمت ہے جو ہر ایک ذرہ کی جڑھ تک پہنچی ہوئی ہے۔ اور ہر ایک چیز میں اتنی ہی خاصیتیں ہیں جتنی اس کی قدرتیں ہیں۔ جو شخص اس بات پر ایمان نہیں لاتا وہ اس گروہ میں داخل ہے جو ماقدروا اللہ حق قدرہ کے مصداق ہیں۔ اور چونکہ انسانِ کامل مظہر اتم تمام عالم کا ہوتا ہے اس لئے تمام عالم اسکی طرف وقتاً فوقتاً کھینچا جاتا ہے۔ وہ روحانی عالم کا ایک عنکبوت ہوتا ہے اور تمام عالم اُس کی تاریں ہوتی ہیں اور خوارق کا یہی سرّ ہے۔

(برکات الدعا ص۲۶، ۲۷ حاشیہ)

لوگ سیّد صاحب کے خراب عقیدوں سے نجات پاکر پھر اپنے عظیم الشان خدا تعالیٰ کو پہچان لیں گے اور محبت سے اس کی طرف رجوع کریں گے اور دعا کے وقت اس کی رحمتوں سے نا امید نہیں ہوں گے اور ہاتھ اٹھانے کے وقت لذّت اٹھائیں گے اور خدا تعالیٰ کے وجود کا فائدہ بھی تو یہی ہے کہ ہماری دعائیں سُنے اور آپ اپنے وجود سے ہمیں خبر دے نہ کہ ہم ہزار ہزار تکلیف سے ایک بُت کی طرح ایک فرضی خدا دل میں قائم کریں جس کی ہم آواز نہیں سُن سکتے اور اس کی نمایاں قدرت کا کوئی جلوہ نہیں دیکھ سکتے۔ یقیناً سمجھو کہ وہ قادر خدا موجود ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ وماغلت ایدیہ بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء و یفعل ما یرید وھو علی کلّ شیٔ قدیر۔ و اٰخر دعوانا الحمد للہ رب العالمین۔

روئے دلبر از طلبگاراں نمی دارد حجاب ‌ ‌ ‌ می درخشد در خور و می تابد اندر ماہتاب

لیکن آں روئے حسین از غافلاں ماند نہاں
عاشقے باید کہ بردارند از بہرش نقاب

دامن پاکش زنخوت ہا نمی آید بدست
ہیچ راہے نیست غیر از عجز و درد و اضطراب

از دعا کن چارۂ آزار انکار دعا
چوں علاج مے زمے وقت خمار و التہاب

(برکات الدعا صفحہ ۲۷-۲۸)

∴

نیک بندوں کو خدا کا دیدار اسی جہان میں ہو جاتا ہے اور وہ اسی جگہ میں
اپنے پیارے کا درشن پا لیتے ہیں جس کے لئے وہ سب کچھ کھوتے ہیں۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۱۰۲)

اسیطرح دعا کی قبولیت کو دیکھنے سے خدا تعالیٰ پر یقین آتا ہے۔ پھر اگر
دعا میں کوئی روحانیت نہیں اور حقیقی اور واقعی طور پر دُعا پر کوئی نمایاں فیض نازل نہیں ہوتا
تو کیونکر خدا تعالیٰ کی شناخت کا ایسا ذریعہ ہو سکتی ہے جیسا کہ زمین و آسمان کے
اجرام و اجسام ذریعہ ہیں۔ بلکہ قرآن شریف سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہایت اعلیٰ ذریعہ
خدا شناسی کا دعا ہی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی ہستی اور صفات کاملہ کی معرفت تامہ یقینیہ کاملہ
صرف دعا سے ہی حاصل ہوتی ہے اور کسی ذریعہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ وہ امر جو ایک بجلی کی
طرح یک دفعہ انسان کو تاریکی کے گڑھے سے کھینچ کر روشنی کی کھلی فضا میں لاتا اور خدا تعالیٰ
کے سامنے کھڑا کر دیتا ہے وہ دعا ہی ہے۔ دعا کے ذریعہ سے ہزاروں بدمعاش صلاحیت
پر آجاتے ہیں۔ ہزاروں بگڑے ہوئے درست ہو جاتے ہیں۔ ہاں دعا کی راہ میں دو
بڑے مشکل امر ہیں جن کی وجہ سے اکثر دلوں سے عظمت دعا کی پوشیدہ رہتی ہے۔ اوّل
تو شرط تقویٰ اور راست بازی اور خدا ترسی ہے جیسا کہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے
إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ پرہیزگار لوگوں کی
دعا قبول کرتا ہے۔ اور پھر فرماتا ہے وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ
فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ
فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔
یعنی جب میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں کہ خدا کے وجود پر دلیل کیا ہے
تو اس کا یہ جواب ہے کہ میں بہت نزدیک ہوں یعنی کچھ بڑے دلائل کی حاجت نہیں میرا
وجود نہایت اقرب طریق سے سمجھ میں آسکتا ہے اور نہایت آسانی سے میری ہستی
پر دلیل پیدا ہوتی ہے اور وہ دلیل یہ ہے کہ جب کوئی دعا کرنے والا مجھے پکارے
تو میں اس کی سنتا ہوں اور اپنے الہام سے اس کی کامیابی کی بشارت دیتا ہوں جس
سے نہ صرف میری ہستی پر یقین آتا ہے بلکہ میرا قادر ہونا بھی بپایہ یقین پہنچتا ہے۔

ایام الصلح صفحہ 1

آجکل مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ بھی پایا جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ دُعا کچھ چیز نہیں ہے اور قضاء قدر بہرحال وقوع میں آتی ہے لیکن افسوس کہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ باوجود سچائی مسئلہ قضاء و قدر کے پھر بھی خدا تعالیٰ کے قانونِ قدرت میں بعض آفات کے دُور کرنے کے لئے بعض چیزوں کو سبب ٹھیرا رکھا ہے جیسا کہ پانی پیاس کے بجھانے کیلئے اور روٹی بھوک کے دُور کرنے کیلئے قدرتی اسباب ہیں پھر کیوں اس بات سے تعجب کیا جائے کہ دُعا بھی حاجت برآری کیلئے خدا تعالیٰ کے قانونِ قدرت میں ایک سبب ہے جس میں قدرتِ حق نے فیوض الٰہی کے جذب کرنے کیلئے ایک قوت رکھی ہے۔ ہزاروں عارفوں راستبازوں کا تجربہ گواہی دے رہا ہے کہ درحقیقت دُعا میں ایک قوتِ جذب ہے، اور ہم بھی اپنی کتابوں میں اس بارے میں اپنے ذاتی تجارب لکھ چکے ہیں اور تجربہ سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت نہیں۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ قضا و قدر میں پہلے سب کچھ قرار پا چکا ہے۔ مگر جس طرح یہ قرار پا چکا ہے کہ فلاں شخص بیمار ہوگا اور پھر یہ دوا استعمال کریگا تو وہ شفا پا جائیگا۔ اسی طرح یہ بھی قرار پا چکا ہے کہ فلاں مصیبت زدہ اگر دُعا کریگا تو قبولیتِ دعا سے اسبابِ نجات اس کے لئے پیدا کئے جائیں گے۔ اور تجربہ گواہی دے رہا ہے کہ جس جگہ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ اتفاق ہو جائے کہ بہمہ شرائط دُعا ظہور میں آوے وہ کام ضرور ہو جاتا ہے۔ اسی کی طرف قرآن شریف کی یہ آیت اشارہ فرما رہی ہے۔ ادعونی استجب لکم۔ یعنی تم میرے حضور میں دُعا کرتے رہو۔ آخر میں قبول کر لوں گا۔ تعجب کہ جس حالت میں باوجود قضا و قدر کے مسئلہ پر یقین رکھنے کے تمام لوگ بیماریوں میں ڈاکٹروں کی طرف رجوع کرتے ہیں تو پھر دُعا کا بھی کیوں دوا پر قیاس نہیں کرتے؟ منہ

حقیقت یہ ہے کہ دعا پر ضرور فیض نازل ہوتا ہے جو ہمیں نجات بخشتا ہے۔ اسی کا نام فیضِ رحیمیت ہے جس سے انسان ترقی پر ترقی کرتا جاتا ہے۔ اسی فیض سے انسان ولایت کے مقام تک پہنچتا ہے اور خدا تعالیٰ پر ایسا یقین لاتا ہے کہ گویا آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے مسئلہ شفاعت بھی رحیمیت کی بنا پر ہے۔ خدا تعالیٰ کی رحیمیت نے ہی تقاضا کیا کہ اچھے آدمی برے آدمیوں کی شفاعت کریں۔

(ایام الصلح ۲۲)

صراط الذین انعمت علیہم کا ورد کرنے والا جنۃ الرحیم سے فیض طلب کرتا ہے کیونکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ اے دعاؤں کو رحم خاص سے قبول کرنے والے ان رسولوں اور صدیقوں اور شہیدوں کی راہ ہمیں دکھلا جنہوں نے دعا اور مجاہدات میں مصروف ہو کر تجھ سے انواع و اقسام کے معارف اور حقائق اور کشوف اور الہامات کا انعام پایا اور دائمی دعا اور تضرع اور اعمال صالحہ سے معرفت تامہ تک پہنچ گئے۔

(ایام الصلح ۲۲)

خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ایک جگہ پر اپنی شناخت کی یہ علامت ٹھہرائی ہے کہ تمہارا خدا وہ خدا ہے جو بے قراروں کی دعا سنتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے امن یجیب المضطر اذا دعاہ پھر جب کہ خدا تعالیٰ نے دعا کی قبولیت کو اپنی ہستی کی علامت ٹھہرائی ہے تو پھر کس طرح کوئی عقل اور حیا والا گمان کر سکتا ہے کہ دعا کرنے پر کوئی آثار صریحہ اجابت کے مترتب نہیں ہوتے۔ اور محض ایک رسمی امر ہے جس میں کچھ بھی روحانیت نہیں۔ میرے خیال میں ہے کہ ایسی بے ادبی کوئی سچے ایمان والا ہرگز نہیں کرے گا

مبارک وہ قیدی جو دُعا کرتے ہیں تھکتے نہیں کیونکہ ایک دن رہائی پائیں گے۔ مبارک وہ اندھے جو دُعاؤں میں سُست نہیں ہوتے کیونکہ ایک دن دیکھنے لگیں گے۔ مبارک وہ جو قبروں میں پڑے ہوئے دعاؤں کے ساتھ خدا کی مدد چاہتے ہیں۔ کیونکہ ایک دن قبروں سے باہر نکالے جائیں گے۔

مبارک تم جبکہ دُعا کرنے میں کبھی ماندہ نہیں ہوتے اور تمہاری رُوح دُعا کے لئے پگھلتی ہے اور تمہاری آنکھ آنسو بہاتی اور تمہارے سینہ میں ایک آگ پیدا کر دیتی ہے اور تمہیں تنہائی کا ذوق اٹھانے کے لئے اندھیری کوٹھڑیوں اور سنسان جنگلوں میں لے جاتی ہے اور تمہیں بے تاب اور دیوانہ اور ازخود رفتہ بنا دیتی ہے۔ کیونکہ آخر تم پر فضل کیا جاوے گا۔ وہ خدا جس کی طرف ہم بلاتے ہیں نہایت کریم و رحیم۔ حیا والا۔ صادق۔ وفادار۔ عاجزوں پر رحم کرنے والا ہے۔ پس تم بھی وفادار بن جاؤ اور پورے صدق اور وفا سے دُعا کرو کہ وہ تم پر رحم فرمائے گا۔ دنیا کے شور و غوغا سے الگ ہو جاؤ۔ اور نفسانی جھگڑوں کا دین کو رنگ مت دو۔ خدا کے لئے ہار اختیار کر لو اور شکست کو قبول کر لو تا بڑی بڑی فتحوں کے تم وارث بن جاؤ۔ دُعا کرنے والوں کو خدا معجزہ دکھائے گا۔ اور مانگنے والوں کو ایک خارق عادت نعمت دی جائے گی۔ دُعا خدا سے آتی ہے اور خدا کی طرف ہی جاتی ہے۔ دُعا سے خدا ایسا نزدیک ہو جاتا ہے جیسا کہ تمہاری جان تم سے نزدیک ہے۔ دُعا کی پہلی نعمت یہ ہے کہ انسان میں پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے پھر اس تبدیلی سے خدا بھی اپنی صفات میں تبدیلی کرتا ہے۔ اور اس کے صفات غیر متبدل ہیں مگر تبدیلی یافتہ

کے لئے اس کی ایک الگ تجلّی ہے جس کو دنیا نہیں جانتی۔

(اسلام ص۲۶، ص۲۷)

غرض دُعا وہ اکسیر ہے جو ایک مشتِ خاک کو کیمیا کر دیتی ہے اور وہ ایک پانی ہے جو اندرونی غلاظتوں کو دھو دیتا ہے۔ اس دُعا کے ساتھ رُوح پگھلتی ہے اور پانی کی طرح بہہ کر آستانہ حضرتِ احدیت پر گرتی ہے۔ وہ خدا کے حضور میں کھڑی بھی ہوتی ہے اور رکوع بھی کرتی ہے اور سجدہ بھی کرتی ہے۔ اور اسی کی ظلّ وہ نماز ہے جو اسلام نے سکھلائی ہے۔ اور رُوح کا کھڑا ہونا یہ ہے کہ وہ خدا کے لئے ہر ایک مصیبت کی برداشت اور حکم ماننے کے بارے میں مستعدی ظاہر کرتی ہے۔ اور اس کا رکوع یعنی جھکنا یہ ہے کہ وہ تمام محبتوں اور تعلقوں کو چھوڑ کر خدا کی طرف جُھک آتی ہے اور خدا کے لئے ہو جاتی ہے۔ اور اُس کا سجدہ یہ ہے کہ وہ خدا کے آستانہ پر گر کر اپنے تئیں بکلّی کھو دیتی ہے اور اپنے نقشِ وجود کو مٹا دیتی ہے۔ یہی نماز ہے جو خدا کو ملاتی ہے۔

(اسلام ص۲۸)

نہیں کہہ سکتے کہ اُس سے کوئی زیادہ ظاہر ہے۔ وہ زندہ ہے اپنی ذات سے اور ہر ایک چیز اس کے ساتھ زندہ ہے۔ وہ قائم ہے اپنی ذات سے اور ہر ایک چیز اس کے ساتھ قائم ہے۔ اُس نے ہر ایک چیز کو اُٹھا رکھا ہے اور کوئی چیز نہیں جس نے اُس کو اُٹھا رکھا ہو۔ کوئی چیز نہیں جو اس کے بغیر خود بخود پیدا ہوئی ہے یا اس کے بغیر خود بخود جی سکتی ہے۔ وہ ہر ایک چیز پر محیط ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ کیسا احاطہ ہے۔ وہ آسمان اور زمین کی ہر ایک چیز کا نور ہے اور ہر ایک نور اسی کے ہاتھ سے چمکا اور اُسی کی ذات کا پرتو ہے۔ وہ تمام عالموں کا پروردگار ہے۔ کوئی روح نہیں جو اس سے پرورش نہ پاتی ہو اور خود بخود ہو۔ کسی رُوح کی کوئی قوت نہیں جو اس سے نہ ملی ہو اور خود بخود ہو۔ اور اُس کی رحمتیں دو قسم کی ہیں (۱) ایک وہ جو بغیر سبقت عمل کسی عامل کے قدیم سے ظہور پذیر ہیں جیسا کہ زمین اور آسمان اور سورج اور چاند اور ستارے اور پانی اور آگ اور ہوا اور تمام ذرات اس عالم کے جو ہمارے آرام کے لئے بنائے گئے۔ ایسا ہی جن جن چیزوں کی ہمیں ضرورت تھی وہ تمام چیزیں ہماری پیدائش سے پہلے ہی ہمارے لئے مہیا کی گئیں اور یہ سب اُس وقت کیا گیا جبکہ ہم خود موجود نہ تھے۔ نہ ہمارا کوئی عمل تھا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ سورج میرے عمل کی وجہ سے پیدا کیا گیا یا زمین میرے کسی شدہ کرم کے سبب سے بنائی گئی۔ غرض یہ وہ رحمت ہے جو انسان اور اس کے عملوں سے پہلے ظاہر ہو چکی ہے جو کسی کے عمل کا نتیجہ نہیں (۲) دوسری رحمت وہ ہے جو اعمال پر مترتب ہوتی ہے اور اس کی تصریح کی کچھ ضرورت نہیں۔ ایسا ہی قرآن شریف میں وارد ہے کہ خدا کی ذات ہر ایک عیب سے پاک ہے اور ہر ایک نقصان سے مبرا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ انسان بھی اس کی تعلیم کی پیروی کر کے عیبوں سے پاک ہو۔ اور وہ فرماتا ہے من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی [1] یعنی جو شخص اس دنیا میں اندھا رہے گا اور اُس ذات بے چون کا اس کو دیدار نہیں ہوگا وہ مرنے کے بعد بھی اندھا ہی ہوگا اور تاریکی اس سے جدا نہیں ہوگی کیونکہ خدا کے دیکھنے کیلئے اسی دنیا میں حواس ملتے ہیں۔

[1] بنی اسرائیل : ۷۳

(ترجمہ از خاکسار) پس جان لو کہ دُعا ہی وہ حربہ ہے جو مجھے اس زمانہ کو فتح کرنے کے لئے آسمان سے دیا گیا ہے اور تم ہرگز نہیں کامیاب ہو گے مگر اس حربہ کے ساتھ اے دوستو۔ اور تمام نبی شروع سے آخر تک اس حربہ کی خبر دیتے آئے ہیں اور انہوں نے کہا کہ مسیح موعود اللہ کے حضور میں دُعا اور تضرع کے ساتھ فتح پائے گا نہ کہ جنگوں اور اُمت کا خون بہانے کے ساتھ۔ اور دُعا کی حقیقت یہ ہے کہ ساری ہمت اور صدق اور صبر کے ساتھ اللہ کی طرف آئے تکلیف کے دور کرنے کے لئے۔ اور اولیاء اللہ جب کسی تکلیف دہ امر کے دُور کرنے کے لئے اپنے رب کی طرف توجہ کرتے ہیں تضرع اور زاری کے ساتھ تو عادت اللہ یہی ہے کہ وہ ان کی دُعا کو سُنتا ہے خواہ کچھ دیر بعد ہو یا اسی وقت اور عنایت الٰہی ان کی تکلیف کو دُور کرنے کے لئے توجہ فرماتی ہے بعد اس کے کہ وہ اس کی طرف پوری توجہ سے آتے ہیں۔ اور سب سے بڑی کرامت قبولیت دُعا ہی ہوتی ہے آفات کے وقت۔

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۸)

یاد رہے کہ خدا کے بندوں کی مقبولیت پہچاننے کے لئے دُعا کا قبول ہونا بھی ایک بڑا نشان ہوتا ہے بلکہ استجابت دُعا کی مانند اور کوئی بھی نشان نہیں ...... اور میں خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہزارہا میری دُعائیں قبول ہوئی ہیں۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۲۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

لندن
16.8.88

پیارے عزیزم ملک محمد سلیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا۔ مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی کتاب کو مقبولیت بخشی۔ الحمدللہ۔ بہت عمدہ کام ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو علمی، ادبی، خدمات کی توفیق اور اپنے بے حساب فضلوں سے نوازے۔ بچوں کو میرا پیار دیں۔ والسلام

خاکسار
مرزا طاہر احمد
خلیفۃ المسیح الرابع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پیارے عزیزم ملک محمد سلیم صاحب (مربی سلسلہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

لندن
1.6.88

آپ کا خط مع کتاب "مسلمان – امن کا شہزادہ" موصول ہوا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ ماشاء اللہ اچھی کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے بہتوں کی ہدایت اور روحانی ترقی کا ذریعہ بنائے اور نیک مقاصد کی تکمیل کا باعث بنے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمل میں بہت زیادہ برکتیں عطا فرمائے اور سلسلہ کے لئے ہر لحاظ سے مفید وجود بنائے۔ گھر میں سب کو محبت بھرا سلام کہیں۔ بچوں کو پیار دیں۔

والسلام
خاکسار
مرزا طاہر احمد
خلیفۃ المسیح الرابع

انتقاد

منصفِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

مصنف ملک محمد سلیم شاہد 8/ 22 x 18 سائز کے 128 صفحات پر مشتمل زیر
تصنیف درج ذیل چودہ ابواب پر منقسم ہے
''قیام عدل آنحضرت کا فرض منصبی اصول شہادت آپؐ کے زمانہ میں صوبائی
مدینہ کا آئین اخلاق و قانون کا حسین گلدستہ قصاص ودیت دربار رسول کے فیصلے
قضا کے عہدے کی خواہش تمام زمانوں اور قوموں کے لئے منصف اعظم رسول اللہ
عہد میں نظام عدل زنا کی سزا رجم حجتہ الوداع کا خطبہ اور عدل کی رسی جسے محمد مصطفیٰ
اللہ علیہ وسلم نے اقوام عالم میں امن پیدا کرنے کے لئے لٹکایا تھا پھر ہر باب کے
موضوع سے متعلقہ جزئیات و تفاصیل کو ذیلی عنوانات دے کر ان کے تحت ثقہ و مستند
مہیا کرنے کی ایک مثال باب نمبر 5 اخلاق و قانون کا حسین گلدستہ حضرت مسیح کی
عمل نرمی کی تعلیم یہودیوں کی سختی اور قانون پرستی پر مبنی تعلیم منصف اعظم کی افراط
سے پاک تعلیم قرض اور سود کے بارے میں تعلیم عفو و درگزر کے بحر بیکراں معاف
سے درجہ بلند ہوتا ہے احسان کی حسین تعلیم اور نرمی جس چیز میں بھی ہو اسے حسین
دیتی ہے اس میں کیا شک ہے کہ حقیقی امن عالم مشروط ہے محض اللہ کو پیش نظر رکھ
نظریہ انصاف پیش کرنے والے اسلامی انصاف سے جس کا کامل اور لائق صد تقلید
موجود ہے منصف اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود میں جنہیں رب جلیل و قدیر
رحمت اللعالمین قرار دیا اور تمام قوموں اور سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا
نظر تصنیف میں اسی وجود باجود صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل و اکمل نمونہ کی تفاصیل
ہوئی ہیں جن کے مطالعہ کے بعد بغیر کسی تامل کے کہا جا سکتا ہے کہ فاضل مصنف
حضور صلی اللہ علیہ وسلم پرنور کی حیات طیبہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات
و فرامین کے عدل و قیام عدل سے متعلقہ حصے کو ایسے جدید رنگ میں پیش کیا ہے جو
حاضر کے جدت پسند ذہنوں کو بھی اپیل کرے گا اور اس خریطہ تحقیق کا صاحبان
نظر کے حلقوں میں خوش گوار ہاتھوں سے خیر مقدم ہو گا اللہ کرے عمدہ ٹائپ دیدہ زیب
طباعت دیدہ زیب رنگا سرورق قیمت صرف تیس روپے

(ث)

منصفِ اعظم

الفضل ربوہ — 6 — 8 جنوری 1992ء

منصف اعظم صلی اللہ علیہ والہ وسلم مصنف ملک محمد سلیم صاحب مربی سلسلہ احمدیہ کچھ عرصہ
امام جماعت (الرابع) ایدہ اللہ تعالی بنصرہ العزیز نے فرمایا تھا ''اگر وہ واقعی امن عالم کے
تو جیسا کہ میں نے ان کو مشورہ دیا ہے وہ انصاف پر قائم ہو کر جو نہ مشرق جانتا ہے نہ
شمال اور جنوب کی تقسیم سے واقف ہے بلکہ محض اللہ کو پیش نظر رکھ کر نظریہ انصاف پیش
اس اسلامی انصاف پر قائم رہ کر اگر یہ اپنے تنازعات کو حل کرنے یا دنیا کے تنازعات اور
حل کرنے کی کوشش کریں گے تو میں یقین دلاتا ہوں کہ دنیا کو امن نصیب ہو سکتا ہے لیکن
صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دست شفقت سے یہ امن نصیب ہو سکتا ہے کیونکہ ایک ہی
جس کو رحمت للعالمین قرار دیا گیا ہے پس جسے خدا نے سب دنیا کی قوموں اور سب جہانوں
رحمت بنا کر بھیجا ہے اس کے سامنے جب تک تم دست سوال نہیں بڑھاتے جب تک اس
نہیں پاتے تم دنیا کو امن نہیں عطا کر سکتے اس سلسلے میں جماعت احمدیہ کو ایک عالمگیر جہاد
کر دینا چاہئے اللہ تعالی ہمارے ساتھ ہو'' ہم سمجھتے ہیں کہ اسی سعی مسلسل کے ارادے کا ایک
مکرم ملک محمد سلیم صاحب کی تصنیف منصف اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ظاہر ہوا ہے
نہیں جانتا اور کس کو اس بات کا شدت سے احساس نہیں کہ اس وقت دنیا کو سب سے زیادہ
انصاف کی ہے چھوٹے اور بڑے غریب اور امیر محکوم اور حاکم سب کو سب سے زیادہ
زندگی کے معتدل طریق پر بسر کرنے کے لئے عدل کی ہے یہ عدل کہاں سے مل سکتا ہے اور
طرح مل سکتا ہے یہ تفصیل معلوم کرنے کے لئے مکرم محمد سلیم صاحب کی تصنیف ''منصف اعظم
کے لائق ہے مکرم سلیم صاحب کہتے ہیں کہ امید ہے اس کتاب کی اشاعت سے احباب
کو بہت سارے تنازعات و خصومات ختم کرنے میں مدد ملے گی اگرچہ کتاب کی ضخامت تو کچھ
128 صفحات پر مشتمل ہے لیکن خدا کے فضل سے اس میں بہت سا علم سمو دیا گیا ہے اور
امید ہے کہ اس کتاب کے قارئین اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے اور جیسا
صاحب نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے اگر کہیں کوئی تنازعہ کھڑا ہو گا تو اس کتاب کی روشنی
میں حل کرنے کی کوشش کریں گے ہم مکرم ملک محمد سلیم صاحب شاہد کو ہدیہ تبریک پیش کرتے
آپ نے اس مختصر سی کتاب میں اس قدر زیادہ اور اتنی اہم باتوں کا ذکر کر دیا ہے اللہ تعالی
کو جزائے خیر دے۔

(ن - ر)

[illegible]
انا فتحنا لك فتحا مبينا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم
وعلی عبدہ المسیح الموعود
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھو الناصر

لندن
۲۱-۶-۲۰۰۶

مکرم ڈاکٹر محمد سلیم شاہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات مقدسہ کا ایک پیارا گلدستہ "محبت [illegible]" تیار کیا ہے۔ جزاکم اللہ
آپ نے کافی محنت صرف کی ہے۔ ماشاء اللہ بڑا اچھا مواد اکٹھا کیا ہے۔ جستہ جستہ یہ کتاب دیکھی ہے۔ پڑھنے والے کے لئے [illegible] یہ کوشش فائدہ مند ہوگی ان شاء اللہ۔ البتہ یاد رکھیں کہ [illegible] کی اپنی حیثیت ہے جو اس دنیا تک ان شاء اللہ قائم رہے گی!
اللہ آپ کے ایمان کو قبول فرمائے اور اس کتاب کی اشاعت کو [illegible] لحاظ سے بابرکت اور نافع الناس کرے۔ آمین یا رب العالمین
مذکورہ حضرت مسیح موعود کے اشعار [illegible] اور ان کے عارف باللہ ہونے کا ثبوت پیش کرتا ہے۔
اللہ آپ کو [illegible] مرادوں کو بر لائے۔ اللھم آمین
دعاؤں پہ زور دیں! فی امان اللہ

والسلام
خاکسار
مرزا مسرور احمد
خلیفۃ المسیح الخامس

[illegible]

مؤلف براہین کے مخاطبات الٰہیہ سے مشرف ہونیکی وجہ

خداوند کریم نے رسول مقبولؐ کی متابعت اور محبت کی برکت سے اور اپنے پاک کلام کی پیروی کی تاثیر سے اس خاکسار کو اپنے مخاطبات سے خاص کیا ہے۔ اور علوم لدنیہ سے سرفراز فرمایا ہے۔ اور بارہا بتلایا ہے کہ یہ سب تفضلات اور احسانات اور یہ سب تلطفات اور توجہات اور یہ سب انعامات و تائیدات اور یہ سب مکالمات و مخاطبات بیمن متابعت و محبت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
ص ۶۴۵ - ۶۴۶ ح

براہین احمدیہ

الہام کے نزول کی پانچ صورتیں

ص ۲۴۸ ح - ص ۲۸۷ ح

صورتِ اوّل۔ جب خداتعالیٰ کوئی امر غیبی اپنے بندہ پر ظاہر کرنا چاہے تو کبھی نرمی سے اور کبھی سختی سے بعض کلمات زبان پر کچھ تھوڑی غنودگی کی حالت میں جاری کر دیتا ہے اور اسکی مثالیں اپنے الہامات سے۔ ص ۲۴۸ - ۲۶۰ ح ح

صورتِ دوم۔ جب خداتعالیٰ اپنے بندہ کو کسی امرِ غیبی پر بعد دعا اس بندہ کے یا خود بخود مطلع کرنا چاہتا ہے تو یکدفعہ بیہوشی اور ربودگی اس پر طاری کر دیتا ہے۔ جس سے وہ بالکل اپنی ہستی سے کھویا جاتا ہے۔ جب اس حالت سے باہر آتا ہے تو اپنے اندر گونج سی مشاہدہ کرتا ہے۔ اس گونج کے کچھ فرو ہونے کے بعد اسے ناگہانی طور پر اپنے اندر ایک موزون اور

ہے۔ اس صورت میں خدا بندہ کی دعاؤں اور استفسارات کا جواب دیتا ہے۔ بعض وقت ایسی زبان میں جس سے وہ بندہ ناآشنا محض ہوتا ہے اور کبھی امور غیبیہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ مثالیں اپنے الہامات سے۔

ص ۲۶۰-۲۶۸ / ر ح

صورت سوم۔ نرم اور آہستہ طور پر انسان کے قلب پر القاء ہونا۔ اس میں ربودگی اور غنودگی شرط نہیں بسا اوقات عین بیداری میں ہوتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ غیب سے کسی نے وہ کلمہ دل میں پھونک دیا ہے۔ اس صورت کا الہام بھی اس عاجز کو بارہا ہوا ہے۔ ص ۲۷۳ / ر ح

صورتِ چہارم۔ رؤیا صادقہ میں کوئی امر خدا تعالیٰ کی طرف سے منکشف ہو جاتا ہے یا کبھی کوئی فرشتہ انسان کی شکل میں متشکل ہو کر کوئی غیبی بات بتلاتا ہے۔ یا کوئی تحریر کاغذ یا پتھر وغیرہ پر مشہود ہو جاتی ہے جس سے کہ اسرار غیبیہ ظاہر ہوتے ہیں۔ وغیرھا من الصور۔

ص ۲۷۴ / ر ح

صورتِ پنجم۔ اس صورت کا انسان کے قلب سے کچھ تعلق نہیں بلکہ خارج سے جیسے ایک پردہ کے پیچھے سے کوئی آدمی بولتا ہے جب انسان متفکر یا مغموم ہو اس وقت اکثر بشارات کے طور پر ایسی کلام آتی ہے۔

ص ۲۸۷ / ۲،۲،

یاد رہے کہ انسان اس خدائے غیب الغیب کو ہرگز اپنی قوت سے شناخت نہیں کر سکتا جب تک وہ خود اپنے تئیں اپنے نشانوں سے شناخت نہ کراوے۔ اور خدا تعالیٰ سے سچا تعلق ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا جب تک وہ تعلق خاص خدا تعالیٰ کے ذریعہ سے پیدا نہ ہو۔ اور نفسانی آلائشیں ہرگز نفس میں سے نکل نہیں سکتیں جب تک خدائے قادر کی طرف سے ایک روشنی دل میں داخل نہ ہو۔ اور دیکھو میں اس شہادت رویت کو پیش کرتا ہوں کہ وہ تعلق محض قرآن کریم کی پیروی سے حاصل ہوتا ہے۔ دوسری کتابوں میں اب کوئی زندگی کی روح نہیں اور آسمان کے نیچے صرف ایک ہی کتاب ہے جو اس محبوب حقیقی کا چہرہ دکھلاتی ہے یعنی قرآن شریف۔

(حقیقۃ الوحی - ٹائیٹل)

(ترجمہ از خاکسار)۔ کیا عقل یہ جائز قرار دیتی ہے کہ ہم اللہ کی معرفت
کے لئے انتہائی کوشش کریں اور پھر ہم اس کے راستوں کو پورا پورا نہ پائیں
اور نسیم رحمت کے لئے مر جائیں اور پھر بھی وہ ہمارے لئے نہ چلے۔

اور حجاب کی موت سے بڑھ کر اور کونسی موت ہے اور اس دلبر
کے چہرہ کو نہ دیکھ سکنے سے زیادہ اور کونسی نابینائی ہے۔ اور اگر یہ امت
گونگے اور بہروں کی طرح ہوتی تو عشاق اس غم سے مر جاتے۔ وہ لوگ جو اپنے
وجود کو محبوب کے وصال کے لئے پگھلا دیتے ہیں اور اس دنیا میں ان کی
آرزو سوائے اس مقصد کے حاصل کرنے کے اور کوئی نہیں ہوتی پس باوجود
اس کے ان کا محبوب کس طرح ان کو چھوڑ دے اضطرار کے شعلے میں اور انتظار
کی آگ میں۔ اور اگر اسی طرح سے ہوتا تو ان لوگوں سے زیادہ شقی (بد قسمت)
کوئی نہ ہوتا کہ جن کی صبح روشن نہ ہوئی اور جن کی چیخیں سُنی نہ گئیں اور وہ
رونے اور چلانے میں ہی مر گئے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ اللہ ارحم الراحمین
ہے۔ اور اس نے کوئی بھوک پیدا نہیں کی مگر اس کے ساتھ بھوکوں کیلئے کھانا
بھی پیدا کیا اور اس نے کوئی پیاس پیدا نہیں کی مگر اس کے ساتھ پیاسوں
کے لئے پانی بھی پیدا کیا۔ اور عرفان کے چاہنے والوں کے لئے اس کی سنت اسی
طرح سے جاری ہے۔ اور میں نے تو اس کا مشاہدہ کیا ہے پس میں مشاہدہ کے
بعد کس طرح سے اس کا انکار کر دوں اور میں نے تو اس کو آزما لیا ہے پس میں
تجربے کے بعد اس میں کس طرح شک کر سکتا ہوں۔

اور ضرور ہے کہ ہم لوگوں کو اس کی طرف بلائیں جو ہم نے علیٰ وجہ البصیرت

حاصل کیا۔ پس ہر اس شخص پر جو ایک اللہ پر ایمان لاتا ہے اور توحید کے
کلمہ کو بُرا نہیں منانا لازم ہے کہ وہ پھٹے ہوئے کپڑوں پر قناعت نہ کرے۔
اور دین کے کامل کپڑوں کی طلب کرے اور باہر کے اور اندر کے کپڑے کے
کامل کرنے کے لئے رغبت کرے اور اس کریم کا دروازہ کمال صدق اور اضطرار
سے کھٹکھٹائے۔ وہ بے انتہا بخشش کرنے والا ہے۔ وہ لوگوں کے سوالوں
سے نہیں اکتاتا اور اس کے خزانے حد و حساب سے باہر ہیں۔ پس جو سوال
میں زیادتی کرے اس کو بخشش میں زیادتی کرتا ہے۔ پس حُسنِ ایمان سے یہ
ہے کہ بندہ اس کی عطا سے مایوس نہ ہو اور اس کے دروازے کو اس کے
دوستوں پر بند نہ سمجھے۔ اور تم اے لوگو اللہ کی نعمتوں اور اس کے
احسانوں کے محتاج ہو۔ پس جان لو اے بھائیو اللہ تم پر رحم کرے کہ میں
تمہارے پاس آسمان سے ایک کھانا لے کر آیا ہوں .... اور مجھے آیات
اور برکات اور قسم قسم کی نصرتیں اور تائیدیں دی گئی ہیں۔ اور کاذبوں کے
لئے یہ دروازہ نہیں کھولا جاتا اگرچہ مجاہدہ کرتے کرتے ان کے اعصاب کے
سوا اور کچھ باقی نہ رہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اللہ ایک حد درجے کے خائن اور گنہگار
سے پیار کرتا ہے۔

(الاستفتاء ص۵۲ تا ص۵۴)

جو لوگ سچے دل سے خدا کے طالب ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ خدا کی
معرفت خدا کے ذریعہ سے ہی میسر آسکتی ہے اور خدا کو خدا کے ساتھ ہی
شناخت کر سکتے ہیں اور خدا اپنی محبت آپ ہی پوری کر سکتا ہے انسان کے اختیار میں
نہیں۔ اور انسان کبھی کسی حیلہ سے گناہ سے بیزار ہو کر اس کا قرب حاصل نہیں
کر سکتا جب کہ معرفت کاملہ حاصل نہ ہو۔ اور اس جگہ کوئی کفارہ مفید نہیں اور
کوئی طریق ایسا نہیں جو گناہ سے پاک کر سکے بجز اس کامل معرفت کے جو کامل محبت اور
کامل خوف کو پیدا کرتی ہے۔ اور کامل محبت اور کامل خوف یہی دونوں چیزیں ہیں جو گناہ سے روکتی
ہیں۔ کیونکہ محبت اور خوف کی آگ جب بھڑکتی ہے تو گناہ کے خس و خاشاک کو جلا کر بھسم کر دیتی
ہے اور یہ پاک آگ اور گناہ کی گندی آگ دونوں جمع ہو ہی نہیں سکتیں غرض
انسان نہ بدی سے رک سکتا ہے اور نہ محبت میں ترقی کر سکتا ہے جب تک کہ
کامل معرفت اس کو نصیب نہ ہو۔ اور کامل معرفت نہیں ملتی جب تک کہ
انسان کو خدا تعالےٰ کی طرف سے زندہ برکات اور معجزات نہ دیئے جائیں۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم
دیباچہ ص۵، ص۶)

مگر کوئی کیمیا ایسی نہیں جیسا کہ خدا کی محبت اور خدا کی طرف ایسا جھکنا
جیسا کہ شیر خوار بچہ اپنی ماں کی طرف جھکتا ہے۔

(چشمہ معرفت ص۱۶۴)

خدائے عز و جل کی عبادت دو قسم کی ہے (۱) ایک توبہ و استغفار یعنی
اس کے آستانہ پر جھک کر اپنے گناہوں کا اقرار کرنا اور نہایت تذلل اور انکسار
اور فنا کی حالت بنا کر اس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہنا اور طہارت و تقویٰ
کے حصول کے لئے اس کی مدد کی درخواست کرنا اور سچے دل سے اس کی جناب
میں عہد کرنا کہ پھر ایسا گناہ نہ کریں گے۔ (۲) دوسری قسم کی عبادت یہ ہے کہ
اس کی تمام خوبیوں اور کمالات کا ذکر کر کے اس کو یاد کرنا اور اس کی صفات
ذاتیہ اور اضافیہ کا اقرار کر کے اس کی حمد و ثنا میں مشغول رہنا۔ صفاتِ ذاتیہ
یہ کہ وہ اپنے کمال ذات اور ابدیت اور ازلیت اور تمام قدرتوں اور طاقتوں
اور علم میں واحد لاشریک ہے۔ اور صفات اضافیہ یہ کہ اسی نے ہر ایک چیز
کو پیدا کیا ہے تا اپنی خالقیت ثابت کرے اور اسی نے بغیر کسی عمل کے زمین و
آسمان کی ہزاروں نعمتیں انسانوں کے لئے مہیا کی ہیں تا اپنی رازقیت ثابت
کرے اور وہ اسی دنیا میں عبادت اور مجاہدہ کرنے والوں کو ایک خاص عزت
بخشتا اور خاص تائید کے ساتھ ان میں اور ان کے غیروں میں فرق کر کے
دکھلا دیتا ہے اور اپنے قرب اور مکالمہ مخاطبہ کا شرف ان کو بخشتا ہے تا اپنی
رحیمیت ثابت کرے اور قیامت کو ہر ایک فرمانبردار اور نافرمان کو اپنی مرضی
[illegible] جزا سزا دے گا تا اپنا مالک جزا و سزا ہونا ثابت کرے۔

(چشمہ معرفت ص۱۶۴، ص۱۶۵)

یہ بات ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ انسان کی پاکی یا پلیدی ہزاروں پردوں کے اندر ہوتی ہے اور اس کو کوئی نہیں جانتا مگر محض خدا۔ اور جیسا کہ ایک ناپاک طبع آدمی اپنی ناپاکی کو پوشیدہ رکھتا ہے تا ایسا نہ ہو کہ کوئی اس پر اطلاع پاوے ایسا ہی وہ آدمی جو پاک سرشت ہے اور خدا کے ساتھ ایک گہرا تعلق رکھتا ہے وہ اپنے ان مخفی تعلقات کو ظاہر نہیں کرتا جو خدا کے ساتھ ہیں۔ اور ایسا چھپاتا ہے جیسا کہ گنہگار اپنے گناہ کو۔ اور اگر کوئی اس کے ان پوشیدہ اسرار پر اطلاع پاوے جو خدا کے ساتھ وہ رکھتا ہے تو وہ ایسا شرمندہ ہوتا ہے کہ جیسا کہ ایک بدکار عین بدکاری میں پکڑا جائے خالص محبت الٰہی اور خالص عشق الٰہی اخفاء کو چاہتا ہے اس لئے پاک لوگوں کے اندرونی اسرار پر کوئی واقف نہیں ہو سکتا۔ ہاں خدا نہیں چاہتا کہ وہ مخفی رہیں اور وہ اپنے دوستوں کے لئے اس قدر غیرت مند ہے کہ کوئی دُنیا میں ایسا غیرت مند نہیں ہوگا۔ وہ ان کے لئے بڑے بڑے کام دکھاتا ہے اور ان کی عزت کو تمام دنیا میں شہرت دیتا ہے۔ نادان دشمن چاہتا ہے کہ وہ معدوم ہو جائیں ان کا نام ونشان نہ رہے وہ ذلیل اور بدنام ہو جائیں اور ان کی زندگی ناپاک اور ملوّث ثابت ہو اور ہزاروں تہمتوں کا انبار لوگوں کے سامنے رکھ دیتا ہے مگر وہ جو ان کے دل کو دیکھتا ہے۔ اور ان کے پاک تعلق پر اطلاع رکھتا ہے وہ اس شریر دشمن کے مقابل پر آپ کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کی غیرت اپنے اس پیارے کے لئے جوش مارتی ہے تب وہ لاکھوں تہمتوں کو ایک ہی کرشمۂ قدرت سے کالعدم کر دیتا ہے۔

(چشمہ معرفت ص۱۶۷)

کیا خدا تک پہنچنے کے لئے یہی راہ ہے کہ کوئی شخص بیوی نہ کرے۔ اگر یہی بات ہے تو یہ نسخہ بہت سہل ہے۔ اور اس سے لازم آتا ہے کہ جن کو بیوی میسر نہیں آتی یا ان امور پر قادر نہیں ہو سکتے وہ سب خدا کے ولی اور دوست سمجھے جائیں۔ نہیں بلکہ وہ راہ بہت دُور ہے اور وہ مقام انہیں کو میسر آتا ہے جو خدا کی راہ میں کھوئے جاتے ہیں اور صدق اور وفا کے مرحلہ کو اس منزل تک طے کر لیتے ہیں جو سچ مچ اور درحقیقت خدا کے لئے اپنے وجود سے مر ہی جاتے ہیں۔ ان کو خدا سے کوئی چیز نہیں روکتی۔ نہ وہ بیویاں جو ان کی پیاری اور عزیز ہوتی ہیں اور نہ وہ اولاد جو ان کے جگر گوشہ کہلاتے ہیں عجیب قسم کے یہ پاک دل لوگ ہیں جو باوجود ہزار ہا تعلقات کے پھر کبھی کسی سے تعلق نہیں رکھتے۔ وہ ایسے ماسوی اللہ سے بے تعلق ہوتے ہیں کہ اگر ان کی ہزار ہا بیوی ہو اور ہزار لڑکا ہو پھر بھی ہم قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ ان کی ایک بھی بیوی نہیں اور نہ ان کا کوئی لڑکا ہے۔ ان کو یہ اندھی دنیا نہیں جانتی کہ وہ کس مقام پر ہیں۔ اور کون ان کو جانتا ہے مگر وہی جس نے ان کو یہ پاک فطرت عطا کی ہے یا وہ جس کو اس کی طرف سے آنکھیں دی جائیں۔ دُنیا میں کروڑہا ایسے پاک فطرت گذرے ہیں اور آگے ہوں گے لیکن ہم نے سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ اور سب سے قریب تر اس مردِ خدا کو پایا ہے جس کا نام ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ ان اللّٰہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

(چشمہ معرفت ص۲۸۷، ص۲۸۸)

اور وہ خدا جو تمام دُنیا پر پوشیدہ ہے وہ محض قرآن شریف کے ذریعہ سے دکھائی دیتا ہے۔

(چشمہ معرفت صفحہ ۲۵۹، ۲۶۰)

اور درحقیقت کوئی شخص خدا کو شناخت نہیں کر سکتا جب تک اس حد تک اس کی معرفت نہ پہنچ جائے کہ وہ اس بات کو سمجھ لے کہ خدا کے بے شمار کام ایسے ہیں کہ جو انسانی طاقت اور عقل اور فہم سے بالاتر اور بلند تر ہیں اور اس مرتبہ معرفت سے پہلے یا تو انسان محض دہریہ ہوتا ہے اور خدا کے وجود پر ایمان ہی نہیں رکھتا اور یا اگر خدا کو مانتا ہے تو صرف اس خدا کو مانتا ہے کہ جو اس کے خود تراشیدہ دلائل کا ایک نتیجہ ہے نہ اس خدا کو جو اپنی تجلی سے اپنے تئیں آپ ظاہر کرتا ہے اور جس کی قدرتوں کے اسرار اس قدر ہیں کہ انسانی عقل ان کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ جب سے خدا نے مجھے یہ علم دیا ہے کہ خدا کی قدرتیں عجیب در عجیب اور عمیق در عمیق اور وراء الوراء اور لا یدرک ہیں تب سے میں ان لوگوں کو جو فلسفی کہلاتے ہیں پکے کافر سمجھتا ہوں اور چھپے ہوئے دہریہ خیال کرتا ہوں۔ میرا خود ذاتی مشاہدہ ہے کہ کئی عجائب قدرتیں خدا تعالیٰ کی ایسے طور پر میرے دیکھنے میں آئی ہیں کہ بجز اس کے کہ ان کو نیستی سے ہستی کہیں اور کوئی نام ان کا ہم رکھ نہیں سکتے جب کہ ان نشانوں کی بعض مثالیں بعض موقعہ پر میں نے لکھ دی ہیں۔ جس نے یہ کرشمۂ قدرت نہیں دیکھا اس نے کیا دیکھا۔

(چشمہ معرفت صفحہ ۲۶۸، ۲۶۹)

ایک مقام پر اہل اللہ سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو اپنے اندر الوہیت کے خواص رکھتے ہیں

اسی طرح ہمارے تجربہ میں آیا ہے کہ اہل اللہ قربِ الٰہی میں ایسے مقام تک جا پہنچتے ہیں جبکہ ربانی رنگ بشریت کے رنگ و بو کو تمام و کمال اپنے رنگ کے نیچے متواری کر لیتا ہے اور جس طرح آگ لوہے کو اپنے نیچے ایسا چھپا لیتی ہے کہ ظاہر میں بجز آگ کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا اور ظلی طور پر وہ صفاتِ الٰہیہ کا رنگ اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ اس وقت اس سے بدوں دُعا و التماس ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو اپنے اندر الوہیت کے خواص رکھتے ہیں اور وہ ایسی باتیں مُنہ سے نکالتے ہیں جو جس طرح کہتے ہیں۔ اسی طرح ہو جاتی ہیں۔ قرآنِ کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور زبان سے ایسے امُور کے صُدور کی بصراحت بحث ہے۔ جیسا کہ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (الانفال: ۱۸) اور ایسا ہی معجزہ شق القمر اور اسی طرح پر اکثر مریضوں اور سقیم الحال لوگوں کا اچھا کر دینا ثابت ہے قرآن شریف میں جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ ارشاد ہوا کہ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی (النجم: ۴) یہ اُس شدید اور اعلیٰ ترین قرب ہی کی طرف اشارہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال تزکیہ نفس اور قربِ الٰہی کی ایک دلیل ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عبدِ مومن کے ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں وغیرہ ہو جاتا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ تمام اعضاء الٰہی طاعت کے رنگ سے ایسے رنگین ہو جاتے ہیں کہ گویا وہ ایک الٰہی آلہ ہیں، جن کے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً افعالِ الٰہیہ ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ یا ایک مُصفا آئینہ ہیں جس میں تمام مرضیاتِ الٰہیہ بصفا تمام عکسی طور پر ظہور کرتی رہتی ہیں۔ یا یہ کہو کہ اس حالت میں وہ اپنی انسانیت سے بکلّی دستبردار ہو جاتے ہیں۔ جیسے جب انسان بولتا ہے، تو اُس کے دل میں خیال ہوتا ہے کہ لوگ اُس کی فصاحت اور خوش بیانی اور قادر الکلامی کی تعریف کریں۔ مگر وہ لوگ جو خُدا کے بُلائے بولتے ہیں اور اُن کی رُوح جب جوش مارتی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ایک موج اُس پر اثر انداز ہو کر توجہ پیدا کر دیتی ہے اور اپنی آواز اور تکلم سے وُہ نہیں بولتے۔ بلکہ الٰہی حال اور قال اور جوش سے۔ اور ایسا ہی جب وہ دیکھتے ہیں تو جیسا کہ قاعدہ ہے کہ دیکھنے میں فکر شامل ہے۔ اُن کی رؤیت اپنے دخل سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے نُور سے اور وہ انکو ایک ایسی چیز دکھا دیتا ہے جو دُوسری پُر غور نظر بھی نہیں دیکھ سکتی۔

ضرورتِ الہام

ہر ایک آدمی چونکہ عقل سے مدارجِ یقین پر نہیں پہنچ سکتا، اس لیے الہام کی ضرورت پڑتی ہے، جو تاریکی میں عقل کے لیے ایک روشن چراغ ہو کر مدد دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے فلاسفر بھی محض عقل پر بھروسہ کر کے حقیقی خدا کو نہ پا سکے؛ چنانچہ افلاطون جیسا فلاسفر بھی مرتے وقت کہنے لگا کہ میں ڈرتا ہوں۔ ایک بُت پر میرے لیے ایک مُرغا ذبح کرو۔ اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہوگی۔ افلاطون کی فلاسفی، اس کی دانائی اور دانشمندی اُس کو وُہ سچی سکینت اور اطمینان نہیں دے سکے جو مومنوں کو حاصل ہے۔ یہ خوب یاد رکھو کہ الہام کی ضرورت قلبی اطمینان اور دلی استقامت کے لیے اشد ضروری ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے عقل سے کام لو اور یہ یاد رکھو کہ جو عقل سے کام لے گا۔ اسلام کا خدا اُسے ضرور ہی نظر آجائے گا۔ کیونکہ درختوں کے پتے پتے پر اور آسمان کے اجرام پر اس کا نام بڑے جلی حرفوں میں لکھا ہوا ہے، لیکن بالکل عقل ہی کے تابع نہ بن جاؤ، تا کہ الہامِ الٰہی کی وقعت کو نہ کھو بیٹھو۔ جس کے بغیر نہ حقیقی تسلی اور نہ اخلاقِ فاضلہ نصیب ہو سکتے ہیں۔ برہمو لوگ بھی شانتی اور سچا نُور نجات کا حاصل نہیں کر سکتے، اِس لیے کہ وُہ الہام کی ضرورت کے قائل نہیں۔ ایسے لوگ جو عقل کے بندے ہو کر الہام کو فضول قرار دیتے ہیں۔ مَیں بالکل ٹھیک کہتا ہوں کہ عقل سے بھی کام نہیں لیتے۔ قرآن کریم میں اُن لوگوں کو جو عقل سے کام لیتے ہیں اُولُوا الْاَلْبَاب فرمایا ہے۔ پھر اس کے آگے فرمایا ہے: اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ (آل عمران: ۱۹۲) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دُوسرا پہلُو بیان کیا ہے کہ اُولُوا الالباب اور عقلِ سلیم بھی وہی رکھتے ہیں جو اللہ جلشانہٗ کا ذکر اُٹھتے بیٹھتے کرتے ہیں۔ یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ عقل و دانش ایسی چیزیں ہیں جو یونہی حاصل ہو سکتی ہیں۔ نہیں۔

خدا تعالیٰ کی محبت کی بابت تو خدا ہی بہتر جانتا ہے، لیکن بعض اشیاء بعض سے پہچانی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک درخت کے نیچے پھل ہوں تو کہہ سکتے ہیں کہ اس کے اُوپر بھی ہوں گے، لیکن اگر نیچے کچھ بھی نہیں۔ تو اُوپر کی بابت کب یقین ہو سکتا ہے۔ اسی طرح پر بنی نوع انسان اور اپنے اخوان کے ساتھ جو یگانگت اور محبت کا رنگ ہو اور وہ اُس اعتدال پر ہو جو خدا نے قائم کیا ہے تو اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ بھی محبت ہو۔ پس بنی نوع کے حقوق کی نگہداشت اور اخوان کے ساتھ تعلقات بشارت دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی محبت کا رنگ بھی ضرور ہے۔

دیکھو دُنیا چند روزہ ہے اور آگے پیچھے سب مرنے والے ہیں۔ قبریں مُنہ کھولے ہوئے آوازیں مار رہی ہیں اور ہر شخص اپنی اپنی نوبت پر جا داخل ہوتا ہے۔ عمر ایسی بے اعتبار اور زندگی ایسی ناپائدار ہے کہ چھ ماہ اور تین ماہ تک زندہ رہنے کی اُمید کیسی۔ اتنی بھی اُمید اور یقین نہیں کہ ایک قدم کے بعد دُوسرے قدم اٹھانے تک زندہ رہیں گے یا نہیں۔ پھر جب یہ حال ہے کہ موت کی گھڑی کا علم نہیں اور یہ پکّی بات ہے کہ وُہ یقینی ہے ٹلنے والی نہیں۔ تو دانشمند انسان کا فرض ہے کہ ہر وقت اُس کے لیے تیار رہے۔ اسی لیے قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے۔ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (البقرہ: ۱۳۳) ہر وقت جبتک انسان خدا تعالیٰ سے اپنا معاملہ صاف نہ رکھے۔ اور ان ہر دو حقوق کی پُوری تکمیل نہ کرے۔ بات نہیں بنتی۔ جیسا کہ مَیں نے کہا ہے کہ حقوق بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک حقوق اللہ اور دُوسرے حقوق العباد۔

اور حقُوقِ عباد بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک وُہ جو دینی بھائی ہو گئے ہیں۔ خواہ وُہ بھائی ہے یا باپ، یا بیٹا۔ مگر ان سب میں ایک دینی اخوت ہے۔ اور ایک عام بنی نوع انسان سے سچّی ہمدردی۔

اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سب سے بڑا حق یہی ہے کہ اُسی کی عبادت کی جاوے اور یہ عبادت کسی غرض ذاتی پر مبنی نہ ہو۔ بلکہ اگر دوزخ اور بہشت نہ بھی ہوں، تب بھی اس کی عبادت کی جاوے اور اس ذاتی محبت میں جو مخلُوق کو اپنے خالق سے ہونی چاہیے کوئی فرق نہ آوے۔ اس لیے ان حقوق میں دوزخ اور بہشت کا سوال نہیں ہونا چاہیے۔ بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی میں میرا یہ مذہب ہے کہ جبتک دشمن کے لیے دُعا نہ کی جاوے پُورے طور پر سینہ صاف نہیں ہوتا ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن: ۶۱) میں اللہ تعالیٰ نے کوئی قید نہیں لگائی کہ دشمن کے لیے دُعا کرو، تو قبول نہیں کروں گا۔ بلکہ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دشمن کے لیے دُعا کرنا یہ بھی سُنّتِ نبوی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی سے مُسلمان ہوئے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم آپ کے لیے اکثر دُعا کیا کرتے تھے۔ اس لیے بُخل کے ساتھ ذاتی دشمنی نہیں کرنی چاہیے۔ اور حقیقتہً موذی نہیں ہونا چاہیے۔ شکر کی بات ہے کہ ہمیں اپنا کوئی دشمن نظر نہیں آتا۔ جس کے واسطے دو تین مرتبہ دُعا نہ کی ہو۔

دُنیا اور دُنیوی خوشیوں کی حقیقت

دُنیا اور دُنیا کی خوشیوں کی حقیقت لہو و لعب سے زیادہ نہیں عارضی اور چند روزہ ہیں اور ان خوشیوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان خدا سے دُور جا پڑتا ہے، مگر خدا کی معرفت میں جو لذّت ہے وُہ ایک ایسی چیز ہے کہ جو نہ آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سُنی نہ کسی اور حِس نے اُس کو محسوس کیا ہے۔ وُہ ایک چیر کر نکل جانے والی چیز ہے۔ ہر آن ایک نئی راحت اُس سے پیدا ہوتی ہے جو پہلے نہیں دیکھی ہوتی۔

خدا تعالیٰ کے ساتھ انسان کا ایک خاص تعلّق ہے۔ اہلِ عرفان لوگوں نے بشریت اور ربوبیت کے جوڑہ پر بہت لطیف بحثیں کی ہیں۔ اگر بچے کا مُنہ پتھر سے لگائیں تو کیا کوئی دانشمند خیال کر سکتا ہے کہ اس پتھر میں سے دُودھ نکل آئے گا اور بچہ سیر ہو جائیگا۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح پر جب تک انسان خدا تعالیٰ کے آستانہ پر نہیں گرتا، اس کی رُوح ہمہ نیستی ہو کر ربوبیت سے تعلق پیدا نہیں کر سکتی اور نہیں کرتی جبتک کہ وہ عدم یا مشابہ بالعدم نہ ہو، کیونکہ ربوبیت اسی کو چاہتی ہے۔ اس وقت تک وُہ رُوحانی دُودھ سے پرورش نہیں پا سکتا۔

لہو میں کھانے پینے کی تمام لذّتیں شامل ہیں۔ اُن کا انجام دیکھو کہ بجز کثافت کے اور کیا ہے۔ زینت، سواری، عمدہ مکانات پر فخر کرنا یا حکومت و خاندان پر فخر کرنا یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ بالآخر اس سے ایک قسم کی حقارت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو رنج دیتی اور طبیعت کو افسردہ اور بے چین کر دیتی ہے۔

لعب میں عورتوں کی محبت بھی شامل ہے۔ انسان عورت کے پاس جاتا ہے مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ محبت اور لذّت کثافت سے بدل جاتی ہے، لیکن اگر یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک حقیقی عشق ہونے کے بعد ہو تو پھر راحت پر راحت اور لذّت پر لذّت ملتی ہے۔ یہانتک کہ معرفتِ حقّہ کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ ایک ابدی اور غیر فانی راحت میں داخل ہو جاتا ہے جہاں پاکیزگی اور طہارت کے سوا کچھ نہیں۔ وُہ خدا میں لذّت ہے۔ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اُسے ہی پاؤ کہ حقیقی لذّت وہی ہے[2]۔

---

[1] الحکم جلد ۳ نمبر ۲۲ پرچہ ۲۳ رجون ۱۸۹۹ء [2] الحکم جلد ۳ نمبر ۲۲ پرچہ ۲۳ رجون ۱۸۹۹ء

خدا کے لیے زندگی

اگر زندگی خدا کے لیے ہو تو اس کی حفاظت کریگا۔ بخاری میں ایک حدیث ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ سے محبت کا رابطہ پیدا کرلیتا ہے، خدا تعالیٰ اُس لے اعضاء، ہو جاتا ہے۔ ایک دُوسری روایت میں ہے کہ اُس کی دوستی یہانتک ہوتی ہے کہ میں اُس کے ہاتھ دل وغیرہ حتیٰ کہ اُس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب انسان جذباتِ نفس سے پاک ہو جاتا ہے اور نفسانیت چھوڑ کر خدا کے ارادوں کے اندر چلتا ہے۔ اس کا کوئی فعل ناجائز نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک فعل خدا کے منشاء کے موافق ہوتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ خدا تعالیٰ اُسے اپنا فعل ہی قرار دیتا ہے۔ یہ ایک مقام ہے قربِ الٰہی کا جہاں پہنچ کر سلوک کی منزلوں کو پورے طور پر طے نہ کرنے والوں نے یا تو ٹھوکر کھائی ہے یا الٰہیات سے ناواقف اور قربِ الٰہی کے مفہوم کو نہ سمجھنے والوں نے غلط فہمی سے کام لیا ہے اور وحدتِ وجود کا مسئلہ گھڑ لیا ہے۔ اس بات کو بھی ہرگز بھولنا نہ چاہیے کہ جہاں انسان اِبتلا میں پڑتا ہے وہ فعل خدا کے ارادہ سے موافق نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کی رضاء اُس کے خلاف ہوتی ہے۔ ایسا شخص اپنے جذبات کے نیچے ہوتا ہے نہ کہ منشائے الٰہی کے ماتحت، لیکن وُہ انسان جو اللہ تعالیٰ کا ولی کہلاتا ہے اور خدا جسکی زندگی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ وہ ہوتا ہے جس کی کوئی حرکت و سکون بلا استصواب کتابِ الٰہی نہیں ہوتی۔ وُہ اپنی ہر بات اور ارادہ پر کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اُس سے مشورہ لیتا ہے۔

پھر آگے کہا ہے کہ اُس کی جان نکالنے میں اللہ تعالیٰ کو بڑا تردّد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تردّد سے پاک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مصلحت کے لیے اُس کو موت دی جاتی ہے اور ایک عظیم مصلحت کے لیے اس کو دُوسرے جہان میں لے جایا جاتا ہے۔ نہیں تو اُس کی بقا خدا کو بڑی پیاری لگتی ہے۔ پس اگر انسان کی ایسی زندگی نہیں کہ خدا تعالیٰ کو اُس کی جان لینے میں تردّد ہو تو وہ حیوانات سے بھی بدتر ہے۔ ایک بکری سے بہت سے آدمی گزارہ کر سکتے ہیں اور اس کا چمڑہ بھی کام آسکتا ہے۔ اور انسان کسی حالت میں کیا مر کر بھی کام نہیں آتا، مگر صالح آدمی کا اثر اس کی ذرّیت پر بھی پڑتا ہے اور وہ بھی اس سے فائدہ اُٹھاتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ در حقیقت وہ مرتا ہی نہیں۔ مرنے پر بھی اس کو ایک نئی زندگی دی جاتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا ہے کہ میں بچہ تھا، بوڑھا ہوا۔ مَیں نے کسی خدا پرست کو ذلیل حالت میں نہیں دیکھا اور نہ اُس کے لڑکوں کو دیکھا،

قضا اور دُعا

قدر اور جبر پر بڑی بڑی بحثیں ہوئی ہیں۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ لوگ اس پر کیوں بحث کرتے ہیں۔ میرا مذہب یہ ہے کہ قرونِ ثلاثہ کے بعد ہی اس قسم کی بحثوں کی بنیاد پڑی ہے؛ ورنہ انسانیت یہ چاہتی تھی کہ ان پر توجہ نہ کی جاوے۔ جب رُوحانیت کم ہوگئی تو اس قسم کی بحثوں کا بھی آغاز ہوگیا۔

جس شخص کا یہ ایمان نہ ہو کہ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یٰسٓ: ۸۳) میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اُس نے خدا تعالیٰ کو نہیں پہچانا اور ایسا ہی اس شخص نے بھی شناخت نہیں کیا جو اس کو علیم بذات الصدور اور حی و قیوم کہ دُوسروں کی حیات و قیام اسی سے ہے اور وہ مدبّر بالارادہ ہے مدبّر بالطبع نہیں مانتا جو فلاسفروں کا عقیدہ ہے۔ غرض ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ بات قریب بہ کُفر ہو جاتی ہے۔ اگر یہ تسلیم کریں کہ کوئی حرکت یا سکون یا ظُلمت یا نُور بِدُون خدا کے ارادے کے ہو جاتا ہے اس پر ثبوت اوّل قانونِ قدرت ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو آنکھیں، دو کان ایک ناک دیئے ہیں۔ اتنے ہی اعضاء لے کر بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر اسی طرح عُمر ہے اور بہت سے اُمور ہیں جو ایک دائرہ کے اندر محدُود ہیں۔ بعض کے اولاد نہیں ہوتی۔ بعض کے لڑکے یا لڑکیاں ہی ہوتی ہیں۔ غرض یہ اُمور خدا تعالےٰ کے قدیر ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔

پس ہمارا مذہب یہ ہے کہ خدا کی اُلوہیّت اور رُبوبیّت ذرّہ ذرّہ پر محیط ہے؛ اگرچہ احادیث میں آیا ہے کہ

لے الحکم جلد ۶ نمبر ۱۲ صفحہ ۷ پرچہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۲ء

ان تمام انعامات میں سے بزرگ تر انعام وحی یقینی کا انعام ہے کیونکہ گفتارِ الٰہی قائم مقام دیدارِ الٰہی ہے۔
(نزول المسیح ص ۱۰۹)

دعائیں کرنے کے لیے نصیحت

دیکھو اب کام تم کرتے ہو: اپنی جانوں اور اپنے کُنبہ پر رحم کرتے ہو: بچوں پر تمہیں رحم آتا ہے۔ جس طرح اب اُن پر رحم کرتے ہو۔ یہ بھی ایک طریق ہے کہ نمازوں میں اُن کے لیے دعائیں کرو۔ رکوع میں بھی دعا کرو۔ پھر سجدہ میں دُعا کرو۔ کہ اللہ تعالےٰ اس بَلا کو پھیر دے اور عذاب سے محفوظ رکھے۔ جو دعا کرتا ہے۔ وہ محروم نہیں رہتا۔ یہ کبھی ممکن نہیں ہے کہ دُعائیں کرنے والا غافل پلید کی طرح مارا جاوے۔ اگر ایسا نہ ہو تو خدا کبھی پہچانا ہی نہ جاوے۔ وہ اپنے صادق بندوں اور غیروں میں امتیاز کر لیتا ہے۔ ایک پکڑا جاتا ہے۔ دوسرا بچایا جاتا ہے۔ غرض ایسا ہی کرو کہ پورے طور پر تم میں سچا اخلاص پیدا ہو جاوے۔ لے

۱۰ اپریل ۱۹۰۲ء

دعا نہ کرنا سوءِ ادبی ہے

انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ میں یہی رہا ہے کہ وہ پیشگوئیوں کے دیئے جانے پر بھی اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر سچا ایمان رکھ کر بھی دعاؤں کے سلسلہ کو ہرگز نہ چھوڑتے تھے۔ اس لیے کہ وہ خدا تعالیٰ کے غناء ذاتی پر بھی ایمان لاتے ہیں اور مانتے ہیں کہ خدا کی شان لَا یُدْرَکْ ہے اور یہ سُوءِ ادب ہے کہ دُعا نہ کی جاوے۔ لکھا ہے کہ بدر کی لڑائی میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اضطراب سے دعا کر رہے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ نے عرض کی کہ حضور! اب دُعا نہ کریں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو فتح کا وعدہ دیا ہے، مگر رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم دُعا میں مصروف رہے

بعض نے اس پر تحریر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے زیادہ نہ تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی معرفت بہت بڑھی ہوئی تھی اور ہر کہ عارف تر باشد خائف تر باشد۔ وہ معرفت آپ کو اللہ تعالیٰ کے غناء ذاتی سے ڈراتی تھی۔ پس دُعا کا سلسلہ ہرگز چھوڑنا نہیں چاہیے۔

الحکم ۱۰ جولائی ۱۹۰۲ء ——

اور یہی مَیں تمہیں کہتا ہوں اور سکھاتا ہوں۔ خدا تعالیٰ اس سے کہ کسی کو حقیقی طور پر ایذا پہنچائی جاوے اور ناحق تحمل کی راہ سے دشمنی کی جاوے، ایسا ہی بیزار ہے۔ جیسے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی اس کے ساتھ ملایا جاوے۔ ایک جگہ وہ فصل نہیں چاہتا اور ایک جگہ وصل نہیں چاہتا۔ یعنی بنی نوع کا باہمی فصل اور اپنا کسی غیر کے ساتھ وصل۔ اور یہ وہی راہ ہے کہ منکروں کے واسطے بھی دُعا کی جاوے۔ اس سے سینہ صاف اور انشراح پیدا ہوتا ہے اور ہمت بلند ہوتی ہے۔ اس لیے جبتک ہماری جماعت یہ رنگ اختیار نہیں کرتی۔ اُس میں اور اس کے غیر میں پھر کوئی امتیاز نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہ ضروری امر ہے کہ جو شخص ایک کے ساتھ دین کی راہ سے دوستی کرتا ہے اور اس کے عزیزوں سے کوئی ادنیٰ درجہ کا ہے تو اس کے ساتھ نہایت رفق اور ملائمت سے پیش آنا چاہیے اور اُن سے محبت کرنی چاہیے۔ کیونکہ خدا کی یہ شان ہے۔

بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو تمہیں چاہیے کہ تم ایسی قوم بنو جس کی نسبت آیا ہے فَاِنَّہُمْ قَوْمٌ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُہُمْ یعنی وہ ایسی قوم ہے کہ ان کا ہم جلیس بدبخت نہیں ہوتا۔ یہ خلاصہ ہے ایسی تعلیم کا جو تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہ میں پیش کی گئی ہے۔

الحکم جلد ۶ نمبر ۲۹ صفحہ ۵ پرچہ ۱۷ اگست ۱۹۰۲ء

مجیب اور بولنے والا خدا صرف اسلام پیش کرتا ہے

دُنیا میں جس قدر قومیں ہیں۔ کسی قوم نے ایسا خدا نہیں مانا جو جواب دیتا ہو اور دُعاؤں کو سُنتا ہو۔ کیا ایک ہندو ایک پتھر کے سامنے بیٹھ کر یا درخت کے آگے کھڑا ہو کر یا بیل کے رُوبرو ہاتھ جوڑ کر کہہ سکتا ہے کہ میرا خدا ایسا ہے کہ مَیں اُس سے دُعا کروں تو یہ مجھے جواب دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیا ایک عیسائی کہہ سکتا ہے کہ مَیں نے یسُوع کو خدا مانا ہے۔ وُہ میری دُعا کو سُنتا اور اس کا جواب دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بولنے والا خدا صرف ایک ہی ہے جو اسلام کا خدا ہے جو قرآن نے پیش کیا ہے۔ جس نے کہا۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن : ۶۱) تم مجھے پُکارو میں تم کو جواب دُوں گا اور یہ بالکل سچی بات ہے۔ کوئی ہو جو ایک عرصہ تک سچی نیت اور صفائی قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہو۔ وہ مجاہدہ کرے اور دُعاؤں میں لگا رہے۔ آخر اس کی دعاؤں کا جواب اُسے ضرور دیا جاوے گا۔

قرآن شریف میں ایک مقام پر ان لوگوں کے لیے جو گوسالہ پرستی کرتے ہیں اور گوسالہ کو خدا بناتے ہیں۔ آیا ہے۔ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْہِمْ قَوْلًا (طٰہٰ : ۹۰) کہ وُہ اُن کی بات کا کوئی جواب اُن کو نہیں دیتا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو خدا بولتے نہیں ہیں وہ گوسالہ ہی ہیں۔ ہم نے عیسائیوں سے بارہا پُوچھا ہے کہ اگر تمہارا خدا ایسا ہی ہے جو دُعاؤں کو سُنتا ہے اور اُن کے جواب دیتا ہے، تو بتاؤ وہ کس سے بولتا ہے؟ تم جو یسوع کو خدا کہتے ہو۔ پھر اُس کو بُلا کر دکھاؤ۔ مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ سارے عیسائی اکٹھے ہو کر بھی یسوع کو پُکاریں۔ وہ یقیناً

جناب ملک محمد سلیم شاہد کی دیگر تصنیفات/تالیفات

۱۔ زندہ اور زندگی بخش خدا (ھستی باری تعالےٰ پر مغربی فلسفہ، اسلامی فلسفہ اور قرآنی دلائل)

۲۔ مسلمان امن کا شہزادہ

۳۔ زندہ اور زندگی بخش ھمارے رسول کریم ﷺ

۴۔ منصف اعظم ﷺ (محمد رسول اعظم و آخرؐ کا عطا فرمودہ آسمانی نظامِ عدل)

۵۔ سچائی کا نور

۶۔ شطحات

۷۔ انمول موتی (حضرت مسیح موعود کا اردو، عربی، فارسی نعتیہ کلام)

۸۔ پاکستان کا اہم ترین مسئلہ (ارشاداتِ قائداعظمؒ کی روشنی میں)

۹۔ محبت کے ملک کی بادشاہت (ا تا ۴ ایڈیشن)

۱۰۔ سیرتِ رسولؐ کی فلاسفی اور معرفت

۱۱۔ اللہ۔ حضرت مسیح موعود کی تحریرات کی روشنی میں (زیرِ طبع)

۱۲۔ قرآن کے کمالات۔ حضرت مسیح موعود کی تحریرات کی روشنی میں (زیرِ طبع)

۱۳۔ علمِ مجرمیات اور قرآن (زیرِ طبع)